180
سیریز
خونی خزانہ
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیریز

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید

180

خونی خزانہ

اشتیاق احمد

ناشر : طاہر ایس ملک
ترزئین : محمد سعید نامدار
سرورق : انداز

اس ناول کے تمام واقعات، مقامات اور کردار فرضی ہیں۔ کسی قسم کی شابہت یا مطابقت محض اتفاقی امر ہوگی جس کے لیے مصنف یا پبلشر ذمہ دار نہ ہوں گے۔

طاہر ایس ملک
نے (صفدر علی) لاالعبد الرشید پرنٹرز، لاہور
سے چھپوا کر
انداز پبلی کیشنز (مطبوعات اشتیاق) لاہور
سے شائع کیا۔

قیمت : ۱۵/- روپے

مطبوعاتِ اشتیاق
۱۲/۹ نصیر آباد مسلم پورہ، سانڈہ کلاں لاہور
فون : ۷۲۴۶۳۵۶ -- ۷۱۱۲۹۶۹ -

انداز پبلی کیشنز
سیکنڈ فلور میاں مارکیٹ غزنی سٹریٹ
اردو بازار۔ لاہور۔

حدیث شریف

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف ۔ ایک مسجد الحرام (یعنی خانہ کعبہ) دوسری میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) تیسری مسجد الاقصےٰ (یعنی بیت المقدس) کی طرف ——

(سُننِ نسائیؒ صہ ۲۴۰، اُردو)

مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی مسجد کی زیارت کے لیے سفر نہ کیا جائے۔

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

مخلص:

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

کبھی کبھی انسان عجیب و غریب قسم کے حالات کا شکار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات اسے کوئی خوف ناک خبر سننا پڑتی ہے۔ اور وہ اوسان خطا کر بیٹھتا ہے۔ حواس جواب دے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسی خبروں سے وقتی طور پر ضرور متاثر ہوتے ہیں، لیکن پھر بہت جلد خود کو سنبھال لیتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو ایک مدت تک خود کو اس خبر کے زیرِ اثر رکھتے ہیں —

ایسی ہی ایک خوف ناک خبر خاص نمبر کی چھپائی کے دوران مجھے بھی سننا پڑی۔ فون پر مجھے بتایا گیا کہ خاص نمبر کی کاپیاں غلط جڑ گئی ہیں۔ غلط کاپیاں جڑنے کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت تک جتنی چھپائی ہو چکی تھی۔ وہ سب

کہ سب ضائع گئے۔ خبر ہوش اڑا دینے والی
تھی۔ چند لمحوں کے لیے میں اکڑ گیا۔ لیکن پھر
اچانک میں نے سوچا۔ جو ہو چکا۔ اب اس کا
کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سوائے صبر کے۔

لہٰذا کاپیاں درست کروا کے دوبارہ شائع کرانا
پڑا۔ لیکن یہ خبر شاید آپ کے لیے تو خوف ناک
ثابت نہیں ہوئی ہو گی۔ صرف اتنا سُن لیں۔
خاص نمبر لیٹ ہونے کی یہ وجہ تھی۔ اور بس!

دُوسری چیخ

لمبے قد کا ایک عجیب و غریب حُلیے کا آدمی ایک شاندار
قسم کے مکان کے سامنے رکا۔ اس نے پہلے تو نام کی تختی
پر نظر ڈالی اور پھر گھنٹی بجا دی۔ گھنٹی بجا کر اس نے
دائیں بائیں دیکھا۔ دُور کھڑا ایک آدمی اسے عجیب سی
نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس نے فوراً نظریں اس کی
طرف سے ہٹا لیں۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور سُرخ کپڑوں
میں ملبوس ایک شخص کا چہرہ دکھائی دیا:

"کیا بات ہے؟" اس نے بھنّا کر کہا۔

"پروفیسر ناگی سے ملنا ہے۔"

"پروفیسر ناگی۔ تم جیسے چیچڑ لوگوں سے نہیں ملتے۔" اس نے
تلملا کر کہا اور دروازہ بند کرنے لگا۔ لمبے قد والا فوراً بولا:

"لیکن میرے پاس ایک اژدھا کے بارے میں قیمتی
معلومات ہیں۔"

ملازم کو ایک جھٹکا سا لگا — چند سکنڈ تک وہ اجنبی کو
گھورتا رہا، پھر اس نے کہا:

"کیا کہا تم نے — ایک بار پھر تو کہنا۔"

"میرے پاس ایک اژدھے کے بارے میں قیمتی معلومات ہیں۔"

"اندر آجاؤ۔" اس نے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر
کھینچ لیا، پھر فوراً دروازہ بند کر دیا۔

"ہاں! اب کہو — کیا کہہ رہے تھے؟"

"میں پروفیسر ناگی کے سامنے کہوں گا۔"

"اور اگر میں تمہیں ان تک جانے ہی نہ دوں؟"

"تب میں فون کر کے انہیں بتا دوں گا کہ میرے پاس
ایک اژدھے کے متعلق قیمتی معلومات ہیں — میں آپ کے
گھر کے دروازے پر آیا تھا اور یہ بات آپ کے ملازم کو
بتائی تھی، لیکن اس کے باوجود اس نے مجھے آپ سے
نہیں ملایا۔" لمبا آدمی پُرسکون آواز میں کہتا چلا گیا۔

"ہُوں — میں سمجھ گیا — تم پروفیسر ناگی کے بارے میں
بہت کچھ جانتے ہو۔"

"چلیے شکر ہے — آپ سمجھ تو گئے — اب کیا خیال ہے؟"

"ملانا ہی پڑے گا — تم یہیں بیٹھو — اس کرسی پر — میں
ابھی آتا ہُوں۔"

یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اُٹھاتا چلا گیا — لمبا آدمی کرسی
پر بیٹھ گیا — اس نے اپنا سر کرسی کی پشت پر ٹکا دیا
اور آنکھیں بند کر لیں — یہاں تک کہ پھر قدموں کی آواز
اُبھری اور اس نے آنکھیں کھول دیں:

"چلو مسٹر۔" ملازم نے نرم آواز میں کہا۔

"تو پروفیسر ناگی مجھ سے ملیں گے۔"

"ہاں: تم نے بات ہی ایسی کہی ہے — اب انہیں ملنا
ہی پڑے گا۔"

وہ اس کے پیچھے چلنے لگا — یہاں تک کہ ملازم ایک
کمرے کے سامنے رک گیا:

"اندر چلے جاؤ — اور دیکھو — پروفیسر کو غصہ دلانے کی ہرگز
کوشش نہ کرو۔"

"اچھی بات ہے — میں پورا خیال رکھوں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازے کو دھکیلا اور اندر داخل
ہو گیا —

اندر سیاہ بالوں والا ایک شخص بیٹھا تھا — اس کی آنکھیں
بہت بڑی اور باہر کو اُبلی ہوئی تھیں — ان میں اس قدر تیز
چمک تھی کہ اجنبی گھبرا گیا:

"ہاں بھئی — کیا نام ہے آپ کا؟" پروفیسر ناگی کی آواز

نرم تھی ۔

"میں خوش نصیب خان ہوں۔" اس نے کہا۔

"یہ نام پہلی بار سن رہا ہوں ۔ میرے ملازم نے بتایا ہے کہ آپ کے پاس کسی اژدھے کے بارے میں قیمتی معلومات ہیں۔"

"جی ہاں ! کیا آپ ایک بہت ہی بڑے اور عجیب ترین اژدھے کو پکڑنا پسند کریں گے؟"

"اگر میں یہ بات پسند نہیں کروں گا تو پھر اس شہر میں اور کون کرے گا۔"

"چلیے ۔ یہ تو طے رہی ۔ میں آپ کو صرف اس اژدھے کے گھر تک لے جاؤں گا ۔ اس بات کی گارنٹی بھی ہو گی کہ وہاں اژدھا موجود ہے ۔ لیکن آپ اس کو پکڑنے میں کامیاب ہوتے ہیں یا نہیں ۔ اس بات سے میرا کوئی تعلق نہیں ہو گا۔"

"بالکل ٹھیک ۔ اس بات سے آپ کا کوئی تعلق ہونا بھی نہیں چاہیے ۔ یہ میرا کام ہے ۔ آپ تو بس یہ بتا دیں کہ وہ اژدھا کہاں ہے۔"

"اور اس کا مجھے کتنا معاوضہ ملے گا؟"

"تم کیا چاہتے ہو؟" پروفیسر ناگی نے مسکرا کر کہا۔

"کم از کم ایک لاکھ روپے۔"

"کیا کہا ۔ ایک لاکھ روپے ۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔" پروفیسر ناگی نے تلملا کر کہا ۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا ۔ اس کے ہاتھ خوش نصیب خان کے گلے کی طرف اس طرح بڑھے ۔ جیسے گلا گھونٹ ہی تو دیں گے ۔ اسی وقت خوش نصیب کو یہ بات یاد آ گئی کہ ملازم نے کہا تھا ۔ پروفیسر کو غصہ نہ دلایا جائے ؛ چنانچہ وہ فوراً بول اٹھا :

"آپ نے ابھی پوری بات سنی ہی کہاں ہے۔"

"اوہ ہاں ۔ یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" پروفیسر کے جسم کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس کے ہاتھ نیچے گر گئے ۔

"پوری بات یہ ہے کہ وہ اژدھا ایک بہت بڑے خزانے پر بیٹھا ہوا ہے ۔ اگر اپ اسے پکڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو کروڑوں روپے کا خزانہ بھی تو آپ کا ہو جائے گا، مجھے تو پھر بھی صرف ایک لاکھ روپے ملیں گے ۔ یا پھر آپ صرف اس اژدھے کو پکڑیں ۔ خزانے کو ہاتھ نہ لگائیں ۔ خزانہ اس صورت میں میرا ہو گا ۔ میں آپ سے کچھ بھی نہیں لوں گا ۔ بس آپ اژدھے کو پکڑیں۔"

"اوہ ! میں سمجھ گیا ۔ تمھارا مسئلہ دراصل اژدھا ہے ۔ اگر اژدھا وہاں نہ ہوتا تو تم ہرگز میرے پاس نہ آتے۔" پروفیسر ناگی نے کہا۔

"اور کیا — بالکل۔"

"لیکن تمھیں کس طرح معلوم ہوا کہ وہاں خزانہ بھی موجود ہے؟"

"یہ راز میرے باپ نے مجھے بتایا ہے — لیکن مرنے سے کچھ عرصہ پہلے — اپنی زندگی میں اس نے کبھی یہ بات نہیں بتائی — اس نے بتایا تھا کہ ہم لوگ ایک شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں — ہمارے پردادا کی حکومت پر جب تاتاریوں نے حملہ کیا تو اس نے حملے کی خبر سنتے ہی اپنا سارا خزانہ اپنے محل کے نیچے چھپا دیا تھا، پھر وہ غائب ہو گئے — تاتاریوں نے اس پورے علاقے کو تباہ و برباد کر دیا — محل بھی گرا دیا، پرداد کو کبھی سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی — انھوں نے باقی تمام عمر گمنامی میں گزار دی، لیکن مرتے وقت اپنے بیٹے یعنی میرے دادا کو خزانے کا راز بتا گئے — انھوں نے مسمار شدہ محل کا پتا چلایا — اور خزانہ حاصل کرنے کی کوشش کی — انھیں اس عمارت میں داخل ہوتے ہوئے تو دیکھا گیا، لیکن نکلتے نہیں — لوگوں کا خیال تھا کہ وہ کسی حادثہ کا شکار ہو گئے ہیں — پھر ان کے بیٹے یعنی میرے والد نے یہ کوشش کی، لیکن کوشش کرنے سے پہلے یہ راز انھوں نے مجھے بتا دیا تھا — پھر وہ بھی لاپتا ہو گئے۔

اب معاملہ میرے ہاتھ آیا تو میں نے عمارت میں داخل ہونے سے پہلے احتیاطاً اس کا معائنہ کیا — جس کے دوران مجھ پر انکشاف ہوا کہ خزانے پر ایک اژدھا قابض ہے اور میرے باپ دادا کی گم شدگی کا سبب بھی یہی تھا — میں نے تمام حالات اور واقعات کا جائزہ لیا اور فیصلہ کیا کہ میں اپنے آپ کو لاش میں تبدیل نہیں ہونے دوں گا — میں اس عمارت میں داخل نہیں ہوں گا — اس راز کو فروخت کر دوں گا اور اس طرح ملنے والی رقم سے کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کر کے کام چلاؤں گا — اور اس خزانے کو بھول جاؤں گا — ایسے خزانے کا کیا فائدہ — جس نے کئی انسانوں کو ہڑپ کر لیا ہو — وہ تو خونی خزانہ ہوا۔" یہاں تک کہ کر خوش نصیب خان خاموش ہو گیا۔

"لہٰذا تم یہ راز فروخت کرنا چاہتے ہو؟" پروفیسر ناگی بولا۔

"ہاں! یہی بات ہے — اژدھے پکڑنا آپ کا شوق ہے، دنیا کے بڑے بڑے چڑیا گھروں کو آپ نے اژدھے پکڑ کر فروخت کیے ہیں اور اس طرح لاکھوں روپے کمائے ہیں، لیکن جتنا نفع کا سودا میں آپ کی خدمت میں لایا ہوں، کیا کوئی لایا ہو گا۔"

"ہوں — کیا تم مجھے غور کرنے اور مشورہ کرنے کا وقت

دو گے۔"

"ضرور۔ کیوں نہیں"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"شکریہ!" یہ کہہ کر اس نے صوفے کے پائے میں لگا ایک بٹن دبا دیا۔ جلد ہی وہی ملازم اندر داخل ہوا:

"نورے ۔ ذرا شیکی کو تو بلاؤ۔"

"جی بہتر"۔ ملازم نے کہا اور چلا گیا۔

دونوں بیٹھے انتظار کرتے رہے ۔ دس منٹ بعد ایک بالکل پتلا دبلا اور سوکھا ہوا سا آدمی اندر داخل ہوا، یوں لگتا تھا جیسے ہڈیوں پر کھال منڈھ دی گئی ہو۔

شیکی ۔ یہ مسٹر خوش نصیب خان ہے ۔ اس کا تعلق ایک شاہی خاندان سے ہے۔"

"اس کا ۔ کیوں مذاق کرتے ہیں ماسٹر۔" شیکی ہنسا۔

"جو اس نے بتایا ہے، وہ دہرا رہا ہوں"۔ پروفیسر ناگی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا، پھر جلدی جلدی کہنے لگا:

"یہ ایک ایسے مقام کے بارے میں جانتا ہے۔ جہاں ایک بہت بڑا اژدھا موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ اس سے اس جگہ کا پتا پوچھ لیں۔ ہم جا کر دیکھ لیں گے۔" شیکی نے کندھے اچکائے۔

"پوری بات سنتے نہیں اور اپنی ہانکے جا رہے ہو ۔ یہ

حضرت ہم سے ایک لاکھ روپے مانگتے ہیں۔"

"کیا کہا ۔ ایک لاکھ روپے ۔ صرف پتا بتانے کے۔" شیکی اُچھل کر کھڑا ہو گیا ۔ اس کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔

"ایک منٹ شیکی ۔ تم نے اب بھی پوری بات نہیں سُنی، بیٹھ جاؤ۔"

شیکی بیٹھ گیا اور خوش نصیب کو گھور گھور کر دیکھنے لگا:

"اس کا کہنا ہے کہ اس عمارت میں کروڑوں روپے کا خزانہ موجود ہے۔ جو سینہ بہ سینہ ان سے خاندان میں بتایا جاتا رہا ہے ۔ اس کے باپ دادا اس اژدھے کا شکار بن چکے ہیں ۔ لیکن ۔ یہ وہ خزانہ حاصل نہیں کرنا چاہتا ۔ کہتا ہے، کون موت کو آواز دے ۔ لہٰذا صرف ایک لاکھ روپے میں جگہ کا راز فروخت کرنا چاہتا ہے ۔ اب پہلے غور کرو اور پھر مشورہ دو ۔ میں بات پوری کر چکا ہوں۔"

"شکریہ ماسٹر ۔ میں غور کر چکا ہوں"۔ شیکی مسکرایا۔

"کیا سوچ چکے ہو"۔ ماسٹر ناگی بولا۔

"اگر آپ پسند کریں تو ہم اس جگہ کا پتا ایک پیسہ خرچ کیے بغیر بھی جان سکتے ہیں۔"

"وہ کیسے؟"

"بس آپ اجازت دے دیں۔"

"تم جانتے ہو شیکی — میں پیسے پر جان دیتا ہوں۔ ایک لاکھ روپے بچانا تو بہت ہی پسندیدہ بات ہو گی اور اسی لیے اس وقت میں نے تمہیں بلایا ہے — میں فونو یا گریٹی کو بھی بلا سکتا تھا — لیکن — وہ اور لائن کے آدمی ہیں۔"

"شکریہ ماسٹر — ایک منٹ بعد آپ کو اس مقام کا پتا معلوم ہو جائے گا۔" یہ کہہ کر شیکی خوش نصیب کی طرف بڑھا، لیکن خوش نصیب کے سکون میں ذرا بھی فرق نہ آیا، اس نے میٹھے میٹھے کہا:

"میری بھی ایک بات سن لیں ماسٹر۔" یہ کہتے وقت وہ مسکرایا بھی —

"تت — تم نے — مجھے ماسٹر کہا۔"

"اس لیے کہ آپ کا یہ پالتو غنڈہ بھی آپ کو ماسٹر کہہ کر پکار چکا ہے۔"

"پالتو غنڈہ — اچھا۔" شیکی پھنکارا۔

"پہلے میں اپنی بات کہوں گا — اس کے بعد تمہاری بات کا جواب دوں گا — سن رہے ہیں ماسٹر۔"

"ہاں!" پروفیسر ناگی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تو پھر سنو — اگر تمہارا یہ پالتو غنڈہ مجھ سے اس جگہ کا راز معلوم کرنے میں ناکام رہا تو پھر میں راز بتانے کے

ایک لاکھ نہیں لوں گا — بلکہ اس صورت میں معاوضہ دو لاکھ ہو جائے گا اور اگر شیکی کے بعد تم نے کسی دوسرے غنڈے کو آواز دی تو معاوضہ تین لاکھ غرض اسی طرح معاوضہ بڑھتا جائے گا — پھر نہ کہنا۔" یہاں تک کہہ کر خوش نصیب خاموش ہو گیا۔

"تم نے اس کی باتیں سن لیں شیکی — اب کیا کہتے ہو؟"

"یہ بڑ ہانک رہا ہے۔"

"دیکھ لو — کہیں ریٹ نہ بڑھا دینا — پتا تو اب ہم اس سے معلوم کریں گے ضرور۔"

"نہیں ماسٹر — آپ فکر نہ کریں۔"

"اچھا ٹھیک ہے — میری طرف سے اجازت ہے۔"

"شکریہ ماسٹر۔" شیکی بولا۔

"افسوس ماسٹر — اب تمہیں دوگنا رقم خرچ کرنا ہو گی۔"

"تمہاری ایسی کی تیسی۔" شیکی بھنّا گیا اور اس کے دائیں ہاتھ کا بھرپور مکّا خوش نصیب کی ٹھوڑی پر لگا —

دوسرے ہی لمحے شیکی کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی —

★

ٹیکی کی چیخ نے کمرے کی فضا کو تھرا دیا۔ ماسٹر نے ٹیکی کو گھور کر اور خوش نصیب کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا:

"یہ کیا ہوا بھئی۔ ٹیکی۔ یہ میں نے کیا دیکھا ہے۔۔ یہ شخص تو اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔۔ نہ اس نے خود کو بچانے کی کوئی کوشش کی۔ تمہارا مکّا بھی اس نے اپنی ٹھوڑی پر ہی وصول کر لیا۔ لیکن چیخے تم۔ آخر کیوں۔ چیخ تو اس کے منہ سے نکلنی چاہیے تھی۔"

"مم۔ مجھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوا ہے۔ جیسے میں نے کسی لوہے کی چیز پر مکّا دے مارا ہو۔" ٹیکی نے کانپتی آواز میں کہا۔

"حالاں کہ تم اس قدر سخت ہو کہ بڑے سے بڑا لڑاکا بھی تمہارے مقابلے میں ٹک نہیں سکتا۔" پروفیسر ناگی بولا۔

"ہاں ماسٹر۔ لیکن۔ یہ آدمی۔ گوشت پوست کا بنا ہوا نہیں ہے۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے بھئی۔" پروفیسر ناگی نے گھبرا کر کہا۔

"یہ آپ اس سے پوچھیں۔" ٹیکی نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔

"کیوں مسٹر خوش نصیب۔ یہ کیا چکر ہے؟"

"یہ دوسرا راز ہے۔ اور اس کے بتانے کی فیس پانچ لاکھ روپے ہے۔ پہلا راز معلوم کرنے کی آپ میں ہمت نہیں، دوسرا تو کیا معلوم کریں گے۔ میں جاؤں۔ یا آپ دو لاکھ ادا کرتے ہیں۔ یا پھر اپنے کسی اور غنڈے کو بلاتے ہیں۔ جو صورت بھی آپ منظور کریں۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ایک منٹ۔ مجھے سوچنے کی مہلت دیں۔"

"پہلے بھی مہلت دے چکا ہوں۔ اب پھر دے رہا ہوں، جلدی کریں۔"

پروفیسر ناگی سوچ میں ڈوب گیا۔ آخر اس نے کہا:

"ٹھیک ہے۔ میں دو لاکھ ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہو گی کہ وہاں اژدہا موجود ہے اور خزانہ بھی۔"

"دونوں چیزیں آپ کو آنکھوں سے دکھا دوں گا۔ اس کے بعد دو لاکھ روپے وصول کروں گا۔ اس سے بڑھ کر کیا گارنٹی ہو گی۔" وہ مسکرایا۔

"ہوں۔ بات تو بہت معقول ہے۔ پھر کس وقت دکھاؤ گے۔"

"میں تو اس وقت بھی تیار ہوں۔ بس آپ دو لاکھ روپے ساتھ لے لیں۔"

لگ۔ کہیں یہ کوئی فراڈ تو نہیں۔ اگر یہ اتنا طاقت ور ہے
تو خود اس خزانے کو کیوں حاصل نہیں کر لیتا۔" شیکی بول اُٹھا۔

"اوہ۔ تو تم میں بولنے کی طاقت آگئی۔ یہ بھی بڑی
بات ہے۔ ہاں اب سُنو۔ مَیں فراڈ نہیں ہوں۔ میں انسانوں
سے لڑ سکتا ہوں۔ اژدھوں سے نہیں۔ اپنا اپنا تجربہ ہے۔"

"آخر تم نے اپنا جسم اتنا سخت کس طرح بنا لیا؟" شیکی
نے کہا۔

"کہہ چکا ہوں۔ اس راز کی قیمت پانچ لاکھ ہے۔"

"ماسٹر۔ ہم۔ مجھے پانچ لاکھ دے دیں۔" شیکی نے التجا کی۔

"کیا بکواس ہے شیکی۔ پانچ لاکھ دے کر یہ راز معلوم کرو
گے کہ اس نے اپنا جسم اتنا سخت کس طرح بنا لیا ہے۔"

"ہاں ماسٹر۔ یہ بھی تو آپ کے ہی کام آئے گا۔ پھر میں
اتنا سخت ہو جاؤں گا کہ کوئی مجھ سے لڑ نہیں سکے گا۔"

"نہیں شیکی۔ میں اتنی سی بات کے لیے پانچ لاکھ نہیں
دے سکتا۔ اور اب تم خاموش رہو۔ میں دو لاکھ روپے
نکال کر لاتا ہوں۔ ہاں۔ فونو اور گریٹی کو بھی بلا لاؤ۔ ہم
چاروں چلیں گے۔"

"او کے ماسٹر۔" اس نے کہا اور اُٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔
پروفیسر ناگی بھی چلا گیا۔ جلد ہی وہ دونوں اندر آئے۔

اب ان کے ساتھ دو اور پتلے دبلے آدمی تھے۔ یہ فونو اور گریٹی تھے،
ایک بہت لمبا تھا اور دوسرا بہت چھوٹے قد کا۔

"تو یہ ہے وہ؟" ان میں سے لمبے نے کہا۔

"ہاں فونو۔"

"کیوں نہ ہم مل کر اسے پکڑ لیں۔" گریٹی بولا۔

"اس صورت میں معاوضہ ایک لاکھ بڑھنے کا خطرہ مول لینا
پڑے گا۔" خوش نصیب مسکرایا۔

"ختم کرو بھئی۔ میں دو لاکھ دینے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔"
پروفیسر نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا اب چلیں پروفیسر۔" خوش نصیب بولا۔

"ہاں۔ بالکل۔"

"دو لاکھ کہاں ہیں؟"

"میرے ہاتھ میں بیگ نہیں دیکھ رہے تم۔"

"اب مجھے کیا پتا۔ بیگ میں کچھ ہے یا نہیں۔ رقم کو میں
اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھوں گا۔"

"اچھی بات ہے۔"

پروفیسر ناگی نے بیگ کھول کر اس کے آگے کر دیا۔
دوسرے ہی لمحے خوش نصیب کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔

موت کا راستا

ٹائر پھٹنے کی آواز نے انہیں چونکا دیا ۔۔

"لو بھئی ۔ کر لو بات"۔ فاروق نے جھلا کر کہا۔

"بات کرنے کی بجائے ٹائر بدلو"۔ محمود نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"یا پھر تم دونوں ٹائر بدلو ۔ میں ابا جان سے بات کرتا ہوں"۔ فرزانہ مسکرائی ۔۔

"فرزانہ کی تجویز مجھے پسند آئی"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی جیسے آپ کی مرضی، لیکن پہلے کار کو ایک طرف کرنا ہوگا ۔ ادھر اُدھر سے کوئی گاڑی بھی تو آ سکتی ہے"۔ محمود بولا

"اس سنسان سڑک پر اتنی جلدی کیا کوئی کار آئے گی"۔ فاروق نے کہا۔

وہ نیچے اُتر آئے ۔ محمود اور فاروق جلدی جلدی ٹائر بدلنے لگے ۔ اچانک ہارن کی آواز سُنائی دینے لگی :

"لو ۔ کر رہے تھے ۔ یہاں گاڑی کیا آئے گی"۔ فرزانہ بولی ۔۔

"حیرت ہے ۔ اور افسوس بھی"۔ فاروق کے منہ سے نکلا۔

"لیکن کس بات پر ؟"

"اس گاڑی پر اور گاڑی والوں کا ۔ یہ ذرا دیر ٹھہر کر نہیں آ سکتے تھے"۔

"ان بے چاروں کو معلوم نہیں تھا کہ یہاں ، ہماری گاڑی کا ٹائر پھٹنا تھا"۔ محمود بولا۔

اسی وقت گاڑی نزدیک آ گئی ۔ وہ ہارن پر ہارن دے رہی تھی ۔۔

"ایک منٹ جناب ۔ ایک منٹ ۔ ٹائر پھٹ گیا ہے ۔ ابھی ایک طرف کرتے ہیں"۔ محمود نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ کار کو دھکیلنے لگے ۔ کار عین سڑک کے درمیان میں رو کی گئی تھی ۔ اس لیے انہیں اسے کنارے تک لے جانا تھا، کار آہستہ آہستہ ایک طرف ہونے لگی ۔۔

"اوہو ۔ یہ کیا ۔ ذرا ٹھہرو بھئی"۔ انسپکٹر جمشید دبی آواز میں بولے ۔ ان کی آواز سے حیرت بھی جھانک رہی تھی۔

"جی ۔ کہاں کیا"۔ محمود اور فاروق ان کی طرف پلٹے ۔ فرزانہ بھی ان کے منہ کی طرف دیکھنے لگی ۔۔

"اپنی آنکھوں کو کام میں لاؤ اور اس کار اور کار والوں کو دیکھو۔" انسپکٹر جمشید مسکرا کر بولے۔

"کک۔ کیا مطلب؟"

"آؤ میرے ساتھ۔ ایک حیرت انگیز آدمی سے تمھیں ملواتا ہوں، تم ضرور خوش ہو گے۔"

"حیرت انگیز آدمی ۔ یہاں کہاں؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"یار بے تکی نہ ہانکا کرو ۔ حیرت انگیز آدمی تو کہیں بھی ہو سکتا ہے۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"تم تو اس طرح کہ رہے ہو جیسے جگہ جگہ حیرت انگیز آدمی موجود ہوں۔ اگر ایسا ہوتا تو ابا جان کبھی بھی ہماری ملاقات اس حیرت انگیز آدمی سے نہ کراتے۔" فرزانہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"شاید ہم پر حیرت انگیز آدمی کا دورہ پڑ گیا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید اس وقت تک کار کی طرف بڑھ چکے تھے۔ ادھر کار میں بیٹھے ہوئے افراد بھی اب قدرے حیران نظر آ رہے تھے۔ ان کے چہروں سے بے چینی بھی ٹپک رہی تھی۔ شاید وہ جلدی میں تھے اور چاہتے تھے کہ جلد از جلد راستا صاف

ہو جائے، لیکن انسپکٹر جمشید کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر راستا جلد صاف ہونے کی ان کی اُمید دم توڑ گئی تھی۔

"اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو آپ اژدھوں کے مشہور شکاری پروفیسر ناگی ہیں۔" انھوں نے نزدیک پہنچ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص سے کہا۔

"جی ہاں! آپ نے ٹھیک پہچانا۔" اس نے کہا۔

"شکریہ جناب۔ آؤ بھئی۔ تم سُن ہی چکے ہو گے، میں نے کیا کہا ہے۔"

"جی ہاں! تو یہ اژدھوں کے شکاری ہیں۔ بہت خوب۔"

"ہاں! انھوں نے بہت بڑے بڑے اژدھے پکڑے ہیں اور دُنیا کے مشہور ترین چڑیا گھروں کو فروخت کیے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ کہ یہ ان کا پیشہ بھی ہے۔"

"تب تو یہ انکل منور علی خان کے ہم پیشہ ہوئے۔" فاروق مسکرایا۔

"ہاں! تم نے ٹھیک کہا۔"

"منور علی خان۔ وہ مشہور و معروف شکاری۔" پروفیسر ناگی نے چونک کر کہا۔

"جی ہاں۔ وہ میرے دوست ہیں۔"

"اوہ ۔ اچھا ۔ بہر حال آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی

ہوئی۔ اب مہربانی فرما کر راستا صاف کر دیں۔" اس نے جلدی
کے انداز میں کہا۔

"اوہ ہاں۔ ضرور۔ ویسے کیا آپ اس وقت بھی کسی
اژدھے کے شکار کے لیے تو نہیں جا رہے؟"

"ہاں! ان اطراف میں ایک اژدھے کے بارے میں
معلوم ہوا ہے۔"

"بہت خوب۔ چلو بھئی۔ کار ایک طرف کرو۔" انسپکٹر جمشید
نے کہا۔

"بہت بہتر ابا جان۔"

"میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ یہ میرے بچے محمود، فاروق اور
ہیں۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"تو آپ بھی ہمارے ناموں سے واقف ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ آپ سے کون واقف نہ ہوگا۔"

"یہ آپ کی ڈکی شاید کھل گئی ہے۔ تھوڑی سی اوپر اٹھی
ہوئی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ڈکی پر نظر پڑنے کے بعد کہا۔

"جی ہاں! اس میں کچھ خرابی ہو گئی ہے۔ تار کے ایک
ٹکڑے سے باندھ رکھا ہے ہم نے۔" اس نے کہا۔

"اوہ اچھا۔ یہ آپ کے شکار کے ساتھی ہیں؟" انھوں نے

اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں! ایک اژدھا پکڑنا اکیلے انسان کے بس کا روگ نہیں
ہے۔"

"ہوں۔ واقعی۔ ہمیں بھی ایک دو بار اتفاق ہو چکا ہے۔
اس کی تو لپیٹ سے آدمی بچ جائے بس۔"

"ہاں۔ لپیٹ ہی تو خطرناک ہوتی ہے۔ ہڈیاں توڑ کر رکھ
دیتی ہے۔ شکریہ جناب۔ راستا صاف ہو گیا ہے۔ اب ہم چلیں
گے۔"

"او کے۔" انھوں نے ہاتھ ہلایا۔

شکاریوں کی کار آگے بڑھ گئی۔ ساتھ ہی ان کی
نظر ڈکی پر پڑی۔ وہ چونک اٹھے۔ پیشانی پر بل پڑ گئے،
پھر وہ تیزی سے محمود، فاروق اور فرزانہ کے نزدیک پہنچے:

"جلدی کرو بھئی۔ جلدی۔"

"کیوں ابا جان۔ خیر تو ہے۔ اچانک اتنی جلدی کی کیا
پڑ گئی۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"بھئی جلدی کے پڑنے کی بھی ایک ہی کہی۔ کسی وقت
بھی پڑ سکتی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"ایک تو تمھارے اوٹ پٹانگ جملوں نے ناک میں دم کر
رکھا ہے۔"

"میں نے کہا ہے۔ جلدی کرو۔ ہم بھی ان کے ساتھ اژدہے کا شکار کھیلیں گے۔"

"یہ اچانک پروگرام میں تبدیلی کیوں ابا جان۔ ہم تو قصبہ گلاب جان جا رہے ہیں۔"

"وہاں بعد میں چلے جائیں گے۔ پہلے ان کے ساتھ اژدہے کا شکار کیوں نہ کھیلا جائے۔ کس قدر سنسنی خیز پروگرام رہے گا۔"

"سنسنی خیز بھی اور ہلاکت خیز بھی۔" فاروق بولا۔

"ہلاکت سے ڈرنے والے اے آسماں نہیں ہم۔" فرزانہ گنگنائی۔

"آپ کو یہ سوجھی کیا؟" محمود نے کہا۔

"بھئی فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ قصبہ گلاب جان جا کر ہی کون سا ہم سیر و تفریح کر لیں گے۔ وہاں جا کر بھی کسی کیس شریف سے ہی ملاقات ہو گی۔ لہٰذا ابا جان نے سوچا، راستے میں ہی کیوں نہ ملاقات کر لی جائے۔" انسپکٹر جمشید کی بجائے فاروق بول اٹھا۔

"کیا کہ رہے ہو۔ کیس۔ کہاں ہے یہاں؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ابا جان کا پروگرام اگر بدلا ہے تو کسی وجہ سے ہی بدلا ہو گا۔ کیوں ابا جان۔ میں نے غلط تو نہیں کہا۔"

"بھئی اژدہے کا شکار بھی کسی کیس سے کم تو نہیں۔" فرزانہ بولی۔

"ہاں بالکل۔ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔"

"لیجیے۔ گاڑی تیار ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے فوراً ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار پوری رفتار پر چھوڑ دی۔

"سڑک پر بہت خطرناک قسم کے موڑ ہیں ابا جان۔ اس قدر تیز رفتاری خطرناک ہو گی۔" محمود کانپ کر بولا۔

"لیکن اگر اگلی کار نکل گئی تو یہ اور بھی خطرناک ہو گا۔" انھوں نے نظریں سڑک پر جمائے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں۔ آخر آپ ان کے ساتھ اژدہے کا شکار ہی تو کھیلنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم انھیں نہ پکڑ سکے تو یہ خطرناک کس طرح ہو گا؟" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"شاید آپ کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"اگر تم یہ سمجھنے پر تُل ہی گئے ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"لیجیے۔ اگلی کار نظر آنے لگی۔ اب وہ آگے نہیں نکل

سکے گی۔" فرزانہ چہکی۔

"امید تو یہی ہے۔" وہ بڑبڑائے۔

اور پھر وہ شکاریوں کی کار کے نزدیک پہنچ گئے۔ انھوں نے راستا لینے کے لیے ہارن پر ہارن دینا شروع کیا۔ پروفیسر ناگی نے آئینے میں دیکھا اور پھر راستا دے دیا۔ جب وہ ان کی کار کے پاس سے گزرے تو اس نے بلند آواز میں کہا:

"تو آپ نے ہمیں پکڑ ہی لیا۔" یہ جملہ اس نے ہنس کر کہا۔

"جی ہاں! ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ ویسے میں نے ایک دلچسپ پروگرام بنایا ہے۔"

"جی۔ دلچسپ پروگرام۔ کیا مطلب؟"

"اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ تو ہم بھی آپ کے ساتھ شکار کھیلنا چاہتے ہیں۔ اژدہے پر پورا پورا حق آپ کا ہو گا۔"

"اس میں حرج تو کوئی نہیں ہے، لیکن آج تک ہم نے دوسروں کو ساتھ ملا کر شکار نہیں کھیلا۔" پروفیسر ناگی نے کہا۔

"تو کیا ہوا۔ آج یہ تجربہ بھی سہی۔"

"نہیں جناب۔ میں معافی چاہوں گا۔ دراصل یہ پیشہ وارانہ راز کا معاملہ ہے۔" اس نے کہا۔

"اوہ۔ آپ کا خیال ہے۔ ہم آپ کے ساتھ رہ کر اژدھا پکڑنے کا طریقہ جان جائیں گے۔"

"جی۔ یہی سمجھ لیں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

"ہو یا نہ ہو۔ یہ ہمارے اصول کے خلاف ہے۔" اس نے دو ٹوک بات کی۔

"جیسے آپ کی مرضی۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے کار آگے بڑھا دی۔

"لیجیے۔ اور کھیلیے شکار۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"شکار تو ہم کھیلیں گے۔"

"آپ۔ آپ کا مطلب ہے۔ اژدہے کا۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"پتا نہیں۔ کس چیز کا۔" انھوں نے کہا اور کار کو سڑک کے عین درمیان میں روک دیا۔ دائیں بائیں کھائیاں تھیں، اس لیے پچھلی کار آگے نہیں نکل سکتی تھی۔

"یہ کیا جناب۔ آپ نے راستا کیوں روک دیا۔" پیچھے سے پروفیسر ناگی نے جھلا کر کہا۔ اس نے سر کھڑکی سے باہر نکال رکھا تھا۔

"جی بس۔ ایسے ہی۔ کوئی خاص بات نہیں۔ آپ سے دو باتیں کرنا ہیں۔" فاروق مسکرا کر بولا۔

"دو باتیں۔ کیسی دو باتیں۔" پروفیسر نے غرّا کر کہا۔

"گگ۔ کیسی دو باتیں۔ آپ بتائیے نا ابّا جان۔" فارُوق گھبرا گیا۔

"میں کیوں بتاؤں۔ تم ہی بتاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ اور دُوسروں کا وقت ضائع کریں۔ حیرت ہو رہی ہے۔" اس مرتبہ پروفیسر کے لہجے سے بے چارگی ٹپک رہی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم نہ تو اپنا وقت ضائع کرنا پسند کرتے ہیں۔ نہ دوسروں کا۔ لیکن جب بھی کہیں کوئی عجیب و غریب بات یا چیز دیکھتے ہیں۔ سُنتے ہیں۔ تو مجبوراً رک جاتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔ کیا آپ نے کوئی عجیب چیز دیکھی ہے؟"

"ہاں۔ دیکھی ہے۔ تبھی تو آپ کا راستا روکا ہے۔ ویسے اب آپ کا ہمیں ساتھ ملا کر شکار کھیلنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" اس نے کہا۔

"دیکھ لیں۔ سوچ لیں۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا آپ ہمیں دھمکی دے رہے ہیں؟"

"ارے نہیں۔ یہ دھمکی نہیں۔ ایک طرح کا مشورہ ہے۔ اگر مان لیں تو فائدے میں رہیں گے۔" فارُوق چہکا۔

"لیکن ہمارے خیال میں یہ مشورہ نہیں۔ دھمکی ہے۔" پروفیسر ناگی نے غرّا کر کہا۔

"اگر آپ کا خیال یہی ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"مہربانی فرما کر راستا چھوڑ دیں۔"

"میں نے آپ کو آپ کی کار کی ڈکی کے بارے میں کچھ کہا تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور میں نے بتا دیا تھا کہ اس کا تالا خراب ہو گیا ہے، تار کے ایک ٹکڑے سے باندھا گیا ہے اس کو۔"

"بات اگر صرف اتنی ہوتی۔ تو میں کبھی آپ لوگوں کو نہ روکتا۔ مہربانی فرما کر نیچے اُتر کر ڈکی کو دیکھ لیں۔"

"گگ۔ کیا مطلب؟" وُہ چونکے۔

"نیچے اُتر کر دیکھیں گے تو معلوم ہو گا نا۔"

تنگ آ کر انھوں نے کار کے دروازے کھول ڈالے اور نیچے اُتر کر ڈکی کی طرف بڑھے۔

ڈکی واقعی تھوڑی سی اوپر اٹھی ہوئی تھی۔ اس کے
علاوہ اور کوئی خاص بات نہیں تھی۔
"ہاں جناب۔ آپ ہمیں کیا دکھانا چاہتے ہیں؟"
"ڈکی اور کیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"وہ تو ہم دیکھ رہے ہیں۔ یہاں تو کوئی خاص
نہیں ہے۔" پروفیسر نے منہ بنا کر کہا۔
"غور سے دیکھیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
محمود، فاروق اور فرزانہ بُری طرح حیران تھے، کیوں کہ
انھیں بھی کوئی خاص بات نظر نہیں آ رہی تھی، پھر نہ جانے
وہ کیا دکھانا چاہ رہے تھے:
"ہم غور سے دیکھ چکے۔ آپ دکھائیں۔" پروفیسر ناگی نے
کہا۔
"چلو بھئی۔ محمود۔ تم انھیں دکھاؤ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"ج۔ جی۔ میں دکھاؤں۔ لیکن کیا؟"
"جو میں انھیں دکھانا چاہتا ہوں۔" وہ بولے۔
"پپ۔ پتا نہیں۔ آپ انھیں کیا دکھانا چاہتے ہیں؟"
"خیر۔ یوں بات سمجھ میں نہیں آئے گی۔ آپ اس
ڈکی کو کھولیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"لیکن کیوں۔ کیوں کھولیں؟"

"بس میں نے کہا ہے کر کھول کر دکھا دیں۔ آخر آپ کا
اس میں کیا حرج ہے۔"
"اور آپ کا کیا حرج ہو جائے گا ڈکی نہ کھول کر۔
یہ بھی تو بتا دیں۔" پیچھے بیٹھے پروفیسر کے ایک ساتھی نے کہا۔
"ہمارا تو ضرور ہو جائے گا، کیوں کہ میرا خیال ہے۔
ڈکی میں کوئی غیرقانونی چیز موجود ہے۔"
"کیا!!!" ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔
چہروں پر حیرت دوڑ گئی۔ خاص طور پر محمود، فاروق
اور فرزانہ کا حال بُرا تھا:
"یہ آپ نے کیا کہا ابا جان؟"
"اور کس طرح کہ دیا۔ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا۔ جب کہ
ہم جانتے ہیں۔ آپ نہ تو نجومی ہیں۔ اور نہ کسی انسان کو
غیب کا کوئی علم ہے۔" فرزانہ بولی۔
"ہاں! تم نے ٹھیک کہا۔ غیب کا علم واقعی صرف اور
صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہ غیب کے علم میں سے
جتنا چاہتا ہے۔ اور جس وقت چاہتا ہے۔ اپنے خاص بندوں
یعنی رسولوں اور انبیا کو عطا فرما دیتا ہے۔" فاروق نے
کہا۔
"مطلب یہ کہ آپ کو تو ہو ہی نہیں سکتا، پھر آپ نے

کس طرح یہ بات کہ دی۔" محمود نے کہا۔

"اپنی عقل استعمال کر کے۔" وہ مسکرائے۔

"اب ہماری حیرت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور ہم ڈکی دیکھنے کے لیے بھی بہت بے چین ہو گئے ہیں۔ پروفیسر ناگی صاحب۔ مہربانی فرما کر ہماری بے چینی دور کر دیں۔"

"اچھی بات ہے۔ اب یہی سہی۔ لیکن میں اس بات کو ہمیشہ یاد رکھوں گا کہ آپ نے اس سڑک پر ہمیں بہت پریشان کیا تھا۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم خود بھی اس بات کو اچھی طرح یاد رکھیں گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"شیکی۔ ڈکی کھول دو۔"

"بہت بہتر۔ مم۔ جناب۔" اس نے کہا۔

"یہ مم جناب کیا ہوتا ہے جناب؟" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

شیکی نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور ڈکی کی طرف چلا گیا۔ وہ اس تار کے بل کھولنے لگا۔

اسی وقت ایک آواز ابھری۔ آواز پروفیسر ناگی کی تھی:

"بس شیکی۔ اب رہنے دو۔ کوئی ضرورت نہیں۔"

"جی۔ کیا فرمایا۔ کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن کیوں؟" فاروق

نے حیران ہو کر کہا اور اس کی طرف دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھا۔

پروفیسر ناگی اور اس کے باقی دونوں ساتھیوں کے ہاتھوں میں اب پستول نظر آ رہے تھے۔ شیکی نے جب ان کی طرف دیکھا تو خود بھی جیب سے پستول نکال لیا:

"یہ کیا بھئی؟"

"ہم آپ کو ڈکی نہیں دکھائیں گے۔"

"تو پھر۔ کیا دکھائیں گے؟" فاروق بولا۔

"موت کا راستا۔"

"بھئی۔ ڈکی دیکھ کر ہم کریں گے بھی کیا۔ موت کا راستا دیکھنے کا آج تک اتفاق نہیں ہوا۔ وہی دیکھ لیتے ہیں۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا کہ رہے ہو فاروق۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔" محمود نے بھنا کر کہا۔

"گگ۔ کیا میں کچھ غلط کہ گیا۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"خاموش رہو۔" پروفیسر ناگی غرایا۔

"بہت بہتر جناب۔ خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس میں غرانے کی کیا ضرورت ہے۔" فاروق نے ڈر کر کہا۔

"اس کھائی میں اُتر جاؤ — تم چاروں — جلدی کرو۔ ورنہ ہم سڑک پر ہی خون بہا دیں گے تمھارا۔" پروفیسر ناگی بولا —

اور انھوں نے فوراً کھائی میں چھلانگیں لگا دیں —

فائر کر دینا

وہ جانتے تھے۔ جُوں ہی وہ کھائی میں گریں گے، ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جائے گی۔ لہٰذا گرنے کے فوراً بعد وہ لڑھک گئے۔ گولیاں عین اس جگہ لگیں۔ جہاں وہ ایک لمحے پہلے گرے تھے۔ اس سے پہلے کہ دُوسرا فائر کیا جاتا، وہ پھر لڑھک گئے۔ کھائی بہت ڈھلوان تھی اور دشمنوں نے انھیں کھائی میں چھلانگ لگوا کر شاید اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کی تھی۔ اب ان کے لڑھکنے کی رفتار اس قدر تیز تھی کہ وہ نشانہ نہیں لے پا رہے تھے اور شاید وہ اتنے اچھے نشانہ باز بھی نہیں تھے کہ لڑھکنے کی صُورت میں بھی انھیں پوری طرح زد پر لے سکتے۔ نتیجہ یہ کہ جلد ہی وہ ان سے اس قدر فاصلے پر پہنچ گئے کہ پستولوں کی گولیاں ان تک پہنچنے کے قابل نہ رہیں۔ یہ دیکھ کر پروفیسر ناگی نے فوراً کہا:

"فونو ۔ جلدی کرو ۔ ڈکی میں سے رائفل نکالو۔"

"ڈڈ ۔ ڈکی ۔ ڈکی میں سے۔" فونو ہکلایا۔

"ہاں کیوں ۔ کیا ہوا؟"

"ماسٹر ۔ آپ بھول رہے ہیں ۔ ڈکی تار کے ذریعے باندھی گئی ہے۔"

"کوئی بات نہیں تار کھول ڈالو ۔ رائفل نکال لو ۔ ان لوگوں کا بچ جانا ہمارے لیے حد درجے خطرناک ہوگا۔"

"جی ۔ بہتر۔"

یہ بات چیت اس قدر بلند آواز میں کی گئی تھی کہ انھوں نے بھی سُن لی ۔ اب وہ اور تیزی سے دوڑنے لگے ۔ یہاں تک کہ ایک بڑے ٹیلے کی اوٹ لینے میں کامیاب ہو گئے ۔ اب رائفل کی گولی بھی ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی ۔ اسی وقت سڑک پر سے ان کی طرف فائر کیا گیا ۔ گولی ٹیلے میں لگی:

"بے کار ہے پروفیسر ۔ تم خود کو قانون کے حوالے کر دو۔"

"قانون یہاں کہاں ۔ یہ تو جنگل ہے۔" پروفیسر ہنسا۔

"قانون کا ایک محافظ تو یہاں موجود ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہم تمھیں محافظ رہنے ہی کب دیں گے۔"

"تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟"

"یہ بات تمھیں نہیں بتائی جا سکتی۔"

"تم لوگوں کے ارادے نیک نہیں لگتے ۔ لہٰذا ہم تمھیں آگے نہیں جانے دیں گے۔"

"تم اب ہمیں روک کس طرح سکتے ہو ۔ نزدیک تو آ نہیں رہے۔" پروفیسر بولا۔

"آگے بڑھنے کی کوشش کر دیکھو۔"

"ضرور ۔ کیوں نہیں۔" اس نے کہا اور اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا:

"انسپکٹر جمشید کی کار کو ایک طرف کر دو ۔ ہم آگے جائیں گے۔"

"او کے ماسٹر۔"

اس کے تینوں ساتھی کار کو دھکیلنے لگے ۔ وہ خود ٹیلے پر نظریں جمائے کھڑا رہا ۔ جوں ہی وہ اِدھر اُدھر سے دیکھنے کی کوشش کرتے ۔ وہ فوراً گولی داغ دیتا ۔ اور انھیں پھر دبکنا پڑتا:

"اس طرح تو یہ لوگ نکل جائیں گے ابّا جان۔" محمود نے پریشان آواز میں کہا۔

"نہیں نکل سکتے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آخر کیسے؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تم لوگوں نے دھیان نہیں دیا۔ آگے ایک پُل ہے۔ میں اس کو دیکھ چکا ہوں۔"

"تو پھر۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"پھر یہ کہ پُل ٹوٹا ہوا ہے۔ اور خطرے کا نشان لگا دیا گیا ہے۔ غالباً پُل رات کی بارش سے ٹوٹا ہے۔ اور ابھی تک اس کی مرمت کا کام شروع نہیں کیا گیا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا، پھر فارُوق نے کہا۔

"اس طرح تو ہم بھی آگے نہیں جا سکتے۔"

"آگے تو خیر دونوں ہی پارٹیاں جائیں گی شاید۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آخر کیسے؟"

"چکر کاٹ کر دُوسرے پُل تک جانا پڑے گا۔ کچھ فاصلے پر ایک اور سڑک بھی جاتی ہے۔ اس پر سے پھر اس سڑک پر آنا ہوگا، لیکن ان لوگوں کو ابھی اس بات کا احساس نہیں ہوا۔ کیوں کہ ان کی نظریں اس طرف تو اُٹھی ہی نہیں۔"

"اوہ۔ بہت خوب۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم نے راستا صاف کر دیا ہے ماسٹر۔" ٹیکی کی آواز

اُبھری۔

"بہت خوب۔ لیجیے انسپکٹر جمشید۔ ہم جا رہے ہیں۔ اگر ہمت ہے تو اس ٹیلے کی جان چھوڑ کر ہمارے راستے میں آنے کی کوشش کرو۔" پروفیسر ناگی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔ ہم آ رہے ہیں۔" انھوں نے بھی بلند آواز میں کہا۔

پروفیسر ناگی اُٹھ کر کار کی طرف چلا گیا:

"اب ذرا نظارہ دیکھنا۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

وہ ٹیلے کے پیچھے سے سر نکال کر ان کی طرف دیکھتے رہے، چاروں اب کار میں بیٹھ چکے تھے۔ پھر کار آگے بڑھی۔ لیکن فوراً بعد ہی رک گئی۔ اب پہلی مرتبہ انھوں نے اس بورڈ کو دیکھا۔ وہ بھنّا کر نیچے اُتر آئے۔ انھوں نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ دُور انھیں ایک سڑک کے آثار دکھائی دیے، وہ پھر کار میں بیٹھ گئے اور واپس مڑنے لگے۔ عین اسی وقت ایک فائر ہوا اور ان کی کار کا اگلا ٹائر پھٹ گیا۔

"یہ۔ یہ کیا ہوا؟" فونو کے منہ سے نکلا۔

"تم لوگوں کا مقابلہ انسپکٹر جمشید سے ہے بے وقوف لوگو۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"اوہ۔ ہم تو اب تک یہی خیال کرتے رہے کہ ان کے

پاس پستول نہیں ہے۔" پروفیسر ناگی نے بوکھلا کر کہا۔

"ہم لوگ اپنی گولیاں بے کار ضائع نہیں کیا کرتے۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔ اب ہم ان کی کار لے کر جائیں گے۔"

"بہت خوب۔ میں تم لوگوں کو یہ کوشش کرنے کی مہلت ضرور دوں گا۔" انسپکٹر جمشید نے چہک کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ۔ جب تک تم یہ کوشش کر کے نہیں دیکھ لیتے، اس وقت تک تم پر فائر نہیں کروں گا۔"

ان کی آواز اب سامنے سے آ رہی تھی۔ سڑک کے کنارے ایک ابھری ہوئی چٹان تھی۔ وہ اس کے پیچھے تھے۔

"کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ ہم آپ کی کار لے کر فرار نہیں ہو سکیں گے؟"

"ہاں بالکل۔"

"خیر۔ اب آپ وعدہ کر چکے ہیں۔ اس پر کار بند رہیے گا۔"

"کیوں نہیں۔" انھوں نے ہنس کر کہا۔

اور وہ اپنی کار سے اتر کر ان کی کار کی طرف بڑھے، انسپکٹر جمشید نہ تو گاڑی کو لاک کر سکے تھے اور نہ چابی ہی نکال سکے تھے۔ وہ جلدی جلدی اس میں بیٹھ گئے۔ اب پروفیسر ناگی نے کار سٹارٹ کرنے کی کوشش کی، لیکن انجن ٹس سے مس نہ ہوا۔

"یہ۔ یہ کیا بھئی۔" ناگی گھبرا گیا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہ دیا تھا۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"پہلے ہم تم لوگوں سے نبٹیں گے۔ پھر اطمینان سے اپنی کار میں دوسرا ٹائر چڑھائیں گے۔ اور اس کے بعد اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

"کون سی منزل؟" فاروق فوراً بولا۔

"وہی۔ جس تک جانا ہمارا مقصد ہے۔" ناگی نے مسکرا کر کہا۔

"خیر خیر۔ یوں ہی سہی۔"

ایک بار پھر وہ کار سے اتر آئے اور جلدی جلدی پوزیشن لینے لگے۔ ایک بار پھر فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا، لیکن اس طرح فیصلہ کیسے ہو سکتا تھا۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی پوری طرح اوٹ میں تھے۔ ادھر انسپکٹر جمشید بالکل فائرنگ نہیں کر رہے تھے۔

"اس طرح تو بہت دیر لگ جائے گی ابا جان۔" محمود نے اکتا کر کہا۔

" پھر کیا کیا جائے ؟"
" آپ مجھے اور فاروق کو اجازت دے دیں — ہم چکر کاٹ کر
ان کی کمر کی طرف جائیں گے۔"
" تمہیں اور فرزانہ کو اجازت کیوں نہ دی جائے۔" فاروق
نے گھبرا کر کہا۔
" اگر تم بزدلی پر اُتر آئے ہو — تو پھر یوں ہی سہی۔"
" ارے! تو کیا بزدلی پر بھی اُترا جاتا ہے۔" فاروق
کے لہجے میں حیرت در آئی۔
" چھوڑو بھائی — یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں — ابّا جان —
آپ مجھے اور فرزانہ کو اجازت دیں۔"
" نہیں بھئی — تم اور فاروق ہی جاؤ۔" وہ مسکرائے۔
" فاروق میرے ساتھ چلے تب نا۔"
" چلے گا کیوں نہیں — یہ کام چور نہیں ہے — یوں ہی بنتا
ہے۔"
" تو اسے بننے کی اتنی کیا ضرورت ہے ابّا جان — بن تو
یہ پہلے ہی چکا ہے۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔
" اور کیا — اب تو ان دونوں کے بننے کی باری ہے۔"
فاروق تڑ سے بولا۔
" جاؤ بھائی — وقت ضائع نہ کرو۔"

" جی بہتر — اللہ حافظ۔" لیکن اب آپ اکّا دکّا فائر کرتے
رہیے گا۔" محمود نے کہا۔
" اچھی بات ہے۔"
انہیں ایک بہت لمبا چکر کاٹنا پڑا — اس دوران وہ
مسلسل فائرنگ کی آوازیں سنتے رہے — یہاں تک کہ وہ ان
چاروں کی کمر کی طرف پہنچ گئے —
" بھئی فاروق — ہم صرف دو ہیں — جب کہ دشمن چار۔"
محمود نے سرگوشی کی۔
" تو کیا ہوا — یہ ہمارے لیے کوئی نئی بات تو نہیں۔"
" میرا مطلب ہے — ان کے پاس پستول بھی ہیں اور ایک
رائفل بھی — جب کہ ہم خالی ہاتھ ہیں۔" محمود نے کہا۔
" یہ بھی پرانی بات ہے — شاید نئی باتوں کا سٹاک آج
تم گھر بھول آئے ہو۔" فاروق نے منہ بنایا، پھر جھک کر دو
پتھر اُٹھا لیے — اور بولا:
" اب مہربانی فرما کر اتنے ہی بڑے دو پتھر تم اُٹھا لو۔"
" اور اگر نشانہ چوک گیا؟" محمود بولا۔
" تو ہم لوٹ جائیں گے — چلو جلدی کرو۔"
محمود نے بھی دو پتھر اُٹھا لیے — دونوں نے ایک ساتھ
چار پتھر بسم اللہ کہہ کر اچھال دیے — چاروں پتھر دشمنوں

کے سَروں کا مزاج پُوچھ گئے۔
وُہ اچھل کر پیچھے کی طرف گرے۔ پستول اور رائفل ان
کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ اور ہاتھ سَروں پر جم گئے۔
"ایک ایک پتھر اور۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔
"نن۔ نہیں۔ نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔" گریٹی چلّایا۔
"کیوں نہ کریں۔ وجہ بھی تو بیان کرو بڑے بھائی۔" فارُوق
نے حیران ہو کر کہا۔
"ہمارے سَر پھٹ جائیں گے۔"
"تمھارے سَر غُبارے نہیں ہیں۔ جن کے پھٹ جانے کا
ہمیں ڈر ہو۔" فارُوق مسکرایا۔
"کیا مطلب؟" نونو نے دَرد کی شدت سے بے چین ہو کر کہا۔
"مطلب یہ کہ غُباروں کے پھٹنے کا تو بچّوں کو دھڑکا لگا
رہتا ہے نا۔ کہ اب پھٹے اور اب پھٹے۔ لیکن ہمیں تمھارے
سَروں سے بھلا کیا دل چسپی ہو سکتی ہے۔ ہماری بلا سے،
چاہے بالکل پھٹ جائیں۔ یہاں تک کہ سینے کے قابل بھی
بے شک نہ رہیں۔"
"کیا بات کر رہے ہو بھئی۔ یہ سروں کی بات ہو رہی
ہے۔ ذکر کپڑوں کی۔" محمود نے منہ بنایا۔
"ارے ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا۔ واقعی۔ ہاں تو پھر

اُٹھاؤ ایک ایک پتھر اور۔" فارُوق بولا۔
"نن۔ نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔"
"اچھا تو پھر ہاتھ بلند کر کے کھڑے ہو جاؤ۔ اور خبردار۔
کوئی حرکت نہ کرنا۔ ورنہ پھر ہم پتھروں کی بارش تو کر ہی
دیں گے۔"
"ٹھیک ہے۔" وُہ اُٹھ گئے اور ہاتھ سروں سے بلند ہو گئے۔
"ابّا جان۔ آپ کہاں ہیں۔ اب آپ تشریف لا سکتے ہیں۔
ناشتا تیار ہے۔" فارُوق نے بلند آواز میں کہا۔
"ناشتا۔ کہاں ہے ناشتا۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔"
"بھئی دُشمنوں کا ناشتا کر لیں گے آج۔ کیا حرج ہے۔"
"اور یہ ناشتے کا وقت کب ہے۔" محمود نے آنکھیں نکالیں۔
"اوہ ہاں۔ یہ تو میں بھول ہی گیا۔ ایک بڑی مصیبت یہ
ہے کہ میں بات بے بات بولنے لگ جاتا ہُوں۔"
"ایک کیا۔ تمھارے ساتھ تو کئی بڑی مصیبتیں ہیں۔" محمُود
نے جل کر کہا۔
"جل کر کوئلہ نہ ہو جانا۔ تمھاری بڑی مہربانی۔"
"مہربانی۔ کیسی مہربانی؟"
"اگر تم جل کر کوئلہ بن گئے۔ اور ابّا جان نے مجھ سے
پُوچھ لیا کہ محمود کہاں ہے۔ تو میں انھیں محمود کہاں سے دوں

گا۔"

"ثابت ہو گیا ۔ آج تم کوئی ڈھنگ کی بات نہیں کر سکو گے ۔ لو ہوشیار رہو ۔ میں ان کا اسلحہ سمیٹنے جا رہا ہوں، اگر ان میں سے کسی نے حرکت کرنے کی کوشش کی تو پتھر کا فائر کر دینا۔"

"پتھر کا فائر ۔ ارے باپ رے۔" فاروق بوکھلا اُٹھا۔

"ہاں ہاں ۔ کہ دو ۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" "کہنا ہی پڑے گا، کیوں کہ اتنا سنسنی خیز نام پہلی بار سننے میں آیا ہے۔"

"یار تم کسی جاسوسی ناول نگار کے اسسٹنٹ کیوں نہیں لگ جاتے ۔ بس تم اسے ناولوں کے نام بتاتے رہا کرنا۔"

"بے چارہ ہزار بارہ سو سے زیادہ کیا تنخواہ دے سکے گا، ایسے لوگ تو خود بھوکے مرتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"میں نے تو ایسی کوئی بات نہیں سنی۔"

"یہ ضروری نہیں ۔ جو بات تم نے نہ سنی ہو ۔ وہ ہو بھی نہ۔" اس نے جل کر کہا۔

"ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے۔"

محمود نے ان کے پستول اور رائفل اپنے قبضے میں لے لیے، پھر انسپکٹر جمشید اور فرزانہ نزدیک آ گئے۔

"ترکیب اچھی رہی ۔ اب ہم پہلے ان لوگوں کو باندھیں گے، اور پھر ان کی کار کی ڈکی کا جائزہ لیں گے ۔ اس ڈکی ہی نے تو ہمیں ان لوگوں کا راستا روکنے پر مجبور کیا تھا۔"

"آخر اس میں آپ کو کیا نظر آیا تھا؟"

"بس ۔ اب اپنی آنکھوں سے ہی دیکھ لینا۔" انھوں نے کہا۔

انھوں نے جلدی جلدی چاروں دشمنوں کو باندھا اور پھر کار کی ڈکی کی طرف آئے ۔ تار اب الگ ہو چکا تھا ۔ انسپکٹر جمشید نے ڈکی کھول ڈالی، دوسرے ہی لمحے وہ دھک سے رہ گئے۔

ان کے سامنے ڈکی میں ایک شخص رسیوں سے بندھا ہوا مڑا تڑا پڑا تھا ۔ گویا اسے ڈکی میں ٹھونس دیا گیا تھا:

"اُف مالک ۔ یہ کیا؟"

"اس شخص کا ایک ہاتھ ڈکی سے ذرا سا باہر نکل گیا تھا، میں نے انسانی انگلیوں کی جھلک دیکھ لی تھی۔" انسپکٹر جمشید نے بتایا۔

"پتا نہیں ۔ کیا چکر ہے ۔ بہر حال اسے جلدی جلدی کھول کر ہوش میں لانے کی تدبیر کرنی چاہیے ۔ تاکہ کچھ تو پتا چلے۔"

اس شخص کو کھولا گیا ۔ وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا۔ اب بوتل میں سے پانی نکال کر اس کے منہ پر چھڑکا گیا۔ آخر ایک منٹ کی کوشش کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں، اس کے منہ سے نکلا:

"مم ـ مَیں ـ مَیں کہاں ہُوں"۔

"ایک سڑک کے کنارے ـ دارالحکومت سے کوئی پچاس میل دُور ـ تھوڑی دیر پہلے آپ ایک کار کی ڈکی میں بندھے پڑے تھے ـ ہم نے آپ کو ڈکی سے نِکال کر رسیوں سے آزاد کیا ہے ـ اور اب ہوش میں لے آئے ہیں ـ آپ کون ہیں؟

"مم ـ میں ـ میں"

"ہاں آپ ـ اور کون؟" فارُوق بولا ـ

"میں خوش نصیب خان ہوں"۔ اس نے کہا ـ

پھنکار

"کیا کہا ـ خوش نصیب خان ـ اچھے خوش نصیب ہو ـ رسیوں سے باندھ کر ڈکی میں بند کر دیے گئے تھے"۔ فارُوق نے حیران ہو کر کہا ـ

"یہ سب تو چلتا ہی رہتا ہے ـ آپ کون لوگ ہیں؟

"ہماری پروفیسر ناگی اور ان کے ساتھیوں سے راستے میں مُلاقات ہوئی تھی ـ ان کی کار کی ڈکی تھوڑی سے کھُلی نظر آئی ـ اس میں سے آپ کے ہاتھ کی اُنگلیاں نظر آگئیں، بس ہم ان لوگوں سے اُلجھ گئے ـ اب آپ بتائیں ـ آپ اس ڈکی میں کیا کر رہے تھے؟" فارُوق نے جلدی جلدی کہا ـ

"کیا کر رہا تھا ـ میں کیا کرتا ـ مجھے تو ان لوگوں نے باندھ کر ڈال دیا تھا"۔ اس نے حیران ہو کر کہا ـ

"وُہی تو ہم جاننا چاہتے ہیں ـ آخر کیوں ـ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟"

"میری کہانی بہت عجیب ہے۔"

"ہم اس کو ضرور سُنیں گے، کیوں کہ عجیب کہانیاں سُننا
ہمارا شوق ہے۔" محمود بولا۔

"ضرور سُنیے۔"

اس نے کہا اور کہانی سُناتا چلا گیا۔

"اوہ۔ لیکن آپ بے ہوش کیسے ہو گئے۔ اس بیگ میں کی
تھا؟" فاروق بولا۔

"بیگ کے کھلتے ہی ایک دھماکا ہوا تھا۔ مجھے یُوں لگ
تھا جیسے کوئی بم پھٹا ہو، لیکن شاید وُہ کوئی زہریلی گی
والا پٹاخہ تھا۔ بس میں بے ہوش ہو گیا۔ پھر مجھے ہو
میں لایا گیا۔ اور اس جگہ کا پتا مجھ سے زبردستی پُوچھا گیا۔"

"اور آپ نے پتا بتا دیا؟"

"اور کیا کرتا۔ کب تک ان کے مظالم برداشت کرتا۔"

"پتا تو یہ آپ سے معلوم کر چکے تھے، پھر آپ کو ساتھ
کیوں لے آئے؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ان کا خیال تھا۔ ہو سکتا ہے۔ میں انھیں دھوکا دے
رہا ہوں۔"

"اور اصل بات کیا ہے؟" محمود بولا۔

"اصل بات۔ میں نے انھیں اصل پتا بتا دیا تھا، کیونکہ یہ

پھر بھی تو مجھ پر ظلم توڑنے کا سلسلہ جاری کر سکتے تھے۔"

"ہُوں! بات تو ٹھیک ہے۔ ہم اس وقت دارالحکومت
سے پچاس کلو میٹر کے فاصلے پر ہیں اور یہ سڑک عام طور
پر سُنسان رہتی ہے۔ ہمیں ابھی اور کتنا سفر کرنا ہو گا؟"

"کک۔ کیوں۔ کیا آپ بھی اس جگہ کو دیکھنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں! اب ہم آگے کیا جا سکیں گے اس جگہ کو دیکھے
بغیر۔" فاروق نے سرد آہ بھری۔

"ہمیں تیس کلو میٹر اور چلنا ہو گا۔ پھر ایک چھوٹی سی
کچی سڑک بائیں طرف مُڑے گی۔ اس سڑک پر بھی دس
کلو میٹر چلنا ہو گا۔ پھر ایک گھنے جنگل کا سلسلہ شروع ہو
گا، اس جنگل میں ہے۔ وُہ عمارت۔"

"تو وُہ کوئی عمارت ہے۔"

"ہاں! ٹوٹی پھوٹی عمارت۔ کسی زمانے میں شان دار رہی
ہو گی۔ اور اس سے پہلے تو وہاں محل رہا ہو گا۔ میرے
پر دادا کا۔"

"ہُوں۔ شکریہ۔ اب ہم چلیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور ان لوگوں کا کیا کریں گے؟" محمود نے کہا۔

"یہی مَیں سوچ رہا ہُوں۔ ان کا کیا کریں۔ کیوں فرزانہ۔
تم کیا کہتی ہو؟"

"یہ مُجرم ہیں۔ انہیں شہر لے جا کر قانون کے حوالے کر
ہو گا۔ لیکن ہم انہیں ساتھ ساتھ لیے پھرنے کا خطرہ مول
نہیں لے سکتے۔ لہٰذا انہیں یہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ ہاں ان
کی کار بے کار کر جائیں گے۔ تاکہ یہ ہمارے تعاقب میں نہ
چلے آئیں۔"

"یہ ٹھیک رہے گا۔" فارُوق نے خوش ہو کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے ان کی کار کے انجن میں سے کوئی پرزہ
نکال لیا۔ اور پھر وُہ اپنی کار میں بیٹھ کر آگے روانہ ہوئے۔
اب خوش نصیب خان ان کے ساتھ کار میں بیٹھا تھا۔

"میرے خیال میں تو آپ لوگوں نے غلط فیصلہ کیا ہے۔"
خوش نصیب خان نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس اژدھا سے نبٹنا ان لوگوں کا ہی کام ہے۔ آپ
اس کو نہیں مار سکیں گے۔ بہتر یہی رہے گا کہ ہم انہیں
ساتھ لے چلیں۔ اژدھا کو مارنے کا کام ان کے ذریعے سے
لیا جائے۔ اور خزانے میں سے انہیں بھی کچھ حصّہ دے دیا
جائے۔ کچھ حصّہ آپ کو بھی مل جائے گا۔ باقی میں لوں گا،
کیوں کہ اس پر اصل حق میرا ہے۔"

"ہمیں خزانے سے کوئی دل چسپی نہیں۔ ہم تو صرف یہ

دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپ کی کہانی کہاں تک درست ہے۔"

"سو فیصد سچ ہے۔" اس نے کہا۔

"اس کا فیصلہ وہیں ہو گا۔ رہ گئی بات اژدھے کی۔ کیا
آپ کا خیال یہ ہے کہ ہم اسے مار نہیں سکتے۔"

"ہاں! میرا خیال تو یہی ہے۔"

"کیوں۔ کیا ہم رائفل سے بھی یہ کام نہیں لے سکتے۔"

"نن نہیں۔ اتنے نایاب اژدھے کو رائفل سے مار کر بہت
بڑا نقصان ہو گا۔ وُہ تو کئی لاکھ میں بک سکتا ہے۔"

"خزانہ تو کروڑوں کا ہے۔ آپ لاکھوں کی کیوں فکر
کرتے ہیں۔"

"ایسا اژدھا بھی تو دُنیا کے لوگوں نے نہیں دیکھا ہو
گا۔ چڑیا گھر کی آمدنی میں لاکھوں روپے روزانہ کا اضافہ
ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہمیں بھی اژدھا کے منہ مانگے دام
مل سکتے ہیں۔"

"ہُوں۔ بات تو دل کو لگی ہے۔ خیر یُوں ہی سہی۔ ہم
اس کو زندہ پکڑ لیں گے۔"

"آپ کس طرح پکڑ سکتے ہیں۔ بڑے سے بڑا شکاری بھی
شاید یہ کام نہ کر سکے۔"

"تو پھر پروفیسر ناگی کس طرح پکڑ سکتا ہے؟"

"اسے تجربہ ہے۔ اس نے صرف اور صرف اژدھوں کے شکار میں زندگی گزاری ہے۔"

"ہماری نظروں میں ایک اور شکاری بھی ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اور وہ کون؟" اس نے چونک کر پوچھا۔

"منور علی خان۔"

"میں نے ان کا نام نہیں سنا۔ چونکہ میرا مسئلہ صرف اژدھے کے شکار کا ہے۔ اس لیے اس بارے میں جو شخص مشہور ہے، میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔ تو آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم پروفیسر ناگی کو بھی ساتھ لے چلیں۔"

"ہاں! یہ بہت ضروری ہے۔"

"خیر۔ یونہی سہی۔"

اب انھوں نے پروفیسر ناگی اور اس کے ساتھیوں کو انھی کی کار میں بٹھایا۔ پہلے انھیں رسیوں سے باندھا گیا۔ اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ انسپکٹر جمشید نے سنبھالی اور ان کی اپنی کار محمود کو چلانا پڑی۔ اس طرح یہ کارواں روانہ ہوا۔

تیس کلو میٹر چلنے کے بعد انھیں کچی سڑک پر اترنا پڑا۔ اور پھر دس کلو میٹر اور طے کرنے کے بعد جنگل کا سفر شروع

ہو گیا جو کہ انھیں پیدل کرنا پڑا۔ آخر انھوں نے خوش نصیب خان کی آواز سنی:

"بس جناب۔ ہمارا سفر ختم ہو گیا۔ ہم پہنچ گئے۔"

★

انھوں نے دیکھا۔ وہ ایک پرانی عمارت کے سامنے رکے تھے۔ عمارت کہیں کہیں سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ ورنہ اچھی حالت میں تھی۔ اور حویلی نما تھی۔

"تو وہ خزانہ اس حویلی میں ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! اور خزانے کے اوپر وہ ہولناک اژدھا موجود ہے۔" خوش نصیب نے کانپ کر کہا۔

"شکریہ۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور پروفیسر ناگی کی طرف مڑے:

"ہم تم لوگوں کو کھول رہے ہیں۔ اس کے بعد ہم پرسکون ماحول میں بات طے کریں گے۔ مجھے امید ہے، آپ لوگ کوئی شرارت نہیں کریں گے۔"

"اچھی بات ہے۔" ناگی بولا۔

انھوں نے ان چاروں کو کھول دیا۔

"مسٹر ناگی۔ ہم چاہتے ہیں۔ آپ اس اژدھے کو پکڑلیں،
پھر ہم وہ عظیم خزانہ پالیں گے۔ مسٹر خوش نصیب کا مشورہ
ہے کہ کچھ حصّہ خزانے کا آپ لوگوں کو مل جائے اور
کچھ ہمیں۔ باقی تمام کے مالک وہ ہوں گے، کیونکہ ان
کا کہنا ہے کہ خزانہ دراصل ان کے باپ دادا کا ہے۔
لہٰذا اس پر حق بھی ان کا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"آپ کیا کہتے ہیں؟" ناگی نے کہا۔

"میں۔ ابھی میں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔" وہ بولے۔

"خیر۔ مجھے یہ شرط منظور ہے۔ لیکن دارالحکومت میں جا
کر آپ ہمارے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کریں گے۔"
ناگی نے کہا۔

"میں اپنے اوپر حملے کو تو بھول سکتا ہوں، لیکن اگر آپ
نے کسی اور کا خون بہایا ہوگا یا کسی کے ساتھ کوئی اور
چکر آپ کا چل رہا ہوگا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ ایسی بات کوئی بات تو آپ ہمیں قانون کے
حوالے کر دیجیے گا۔" ناگی نے کہا۔

"اوکے۔ ہمیں یہ بات منظور ہے۔" انسپکٹر جمشید نے خوش
ہو کر کہا۔

"یہ قانون کے حوالے کرنے والی بات سمجھ میں نہیں آئی،

کیا آپ لوگوں کا تعلق پولیس سے ہے؟" خوش نصیب خان نے
پہلی بار پریشان ہو کر کہا۔

"یہی سمجھ لیں۔ میں انسپکٹر جمشید ہوں اور یہ محمود، فاروق
اور فرزانہ ہیں۔"

"اوہ۔ اوہ۔" اس کے منہ سے ایک دم نکلا۔ ساتھ ہی
اس کا رنگ اڑ گیا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں۔ میرا خیال ہے۔ میرا خزانہ اب میرا نہیں
رہے گا۔ انسپکٹر جمشید اس کو سرکاری خزانے میں داخل
کرا دیں گے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر آپ نے یہ بات ثابت کر
دی کہ وہ آپ کا خاندانی خزانہ ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں
کہ آپ کا خزانہ سرکاری خزانے میں داخل نہیں ہوگا۔" انسپکٹر
جمشید مسکرائے۔

"شکریہ جناب۔" اس نے مطمئن ہو کر کہا۔

"گویا اب ہمیں اژدھا کو پکڑنا ہے۔" پروفیسر ناگی بولا۔

"ہاں۔ بالکل۔"

"کیا ہم اپنا کام شروع کریں۔" پروفیسر بولے۔

"ہاں بالکل۔ کام تو شروع کرنا پڑے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایک بات ذہن نشین کر لیں۔ اگر اژدھا نے آپ لوگوں کو کوئی نقصان پہنچا دیا تو اس کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہو گی۔ میں نے آپ لوگوں کو بتا دیا ہے کہ اژدھا حد درجے خطرناک ہے۔ اس قدر کہ آپ نے شاید اپنی تمام زندگی میں نہ دیکھا ہو گا۔" خوش نصیب خان نے کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے۔ تم بتا چکے ہو۔ فکر نہ کرو۔" ناگی نے منہ بنا کر کہا اور پھر اپنے تینوں ساتھیوں سے بولا:

"تیاری مکمل کر لو۔"

انھوں نے اپنے بیگ کھول ڈالے اور اس میں سے عجیب و غریب قسم کے جال نکال کر انھیں آپس میں جوڑنے لگے۔

"کیا یہ جال ٹوٹ نہیں جائے گا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ خاص قسم کے تاروں کا بنا ہوا ہے۔ آگ بھی نہیں لگ سکتی۔ ان تاروں میں لچک بہت ہے۔ ٹوٹتے نہیں۔ پھیل کر لمبے ضرور ہو سکتے ہیں، لیکن اتنے بھی نہیں کہ اژدھا کہیں کا کہیں پہنچ جائے۔" ناگی نے جلدی جلدی کہا۔

پندرہ منٹ تک وہ چاروں جال سے الجھے رہے، پھر ناگی نے اٹھتے ہوئے کہا:

"ہم بالکل تیار ہیں۔"

"تو پھر اندر داخل ہو جائیں۔ حویلی میں ایک بڑا ہال ہے، اس ہال کے فرش کے بیچوں بیچ ایک چوکور دروازہ ہے۔ وہ دروازہ صندوق کے ڈھکنے کی طرح کھل سکتا ہے۔ اس میں ایک تالا بھی لگا ہوا ہو گا۔ یہ رہی اس کی چابی۔"

یہ کہ کر اس نے چابی ان کی طرف بڑھا دی۔

چابی پرانے طرز کی تھی۔ اور بڑے سائز کی تھی۔

"بہتر یہ رہے گا کہ تم ہمارے ساتھ اس ہال تک چلو اور تالا اپنے ہاتھوں سے کھولو۔ نیچے اترنے کے لیے ہم نہیں کہیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ لیکن میں تالا کھولنے کے بعد اندر نہیں رکوں گا۔" خوش نصیب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ناگی بولا۔

"میں بھی ہال تک آپ لوگوں کے ساتھ جاؤں گا۔" ایسے میں انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ۔ آپ کیا کریں گے ابا جان؟" فرزانہ گھبرا گئی۔

"بھئی ہال تک جانے میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کیوں خوش نصیب صاحب؟"

"جی ہاں۔ بالکل۔ میں بھی تو جا رہا ہوں۔ ویسے جناب۔"

آپ کیا کریں گے جا کر۔ آپ تو رہنے ہی دیں۔" اس نے
جلدی جلدی کہا۔

"نہیں – میں ساتھ جاؤں گا۔"

"اگر آپ ساتھ جائیں گے – تو پھر ہم بھی ساتھ جائیں
گے۔" محمود نے پُر جوش لہجے میں کہا۔

"بالکل۔" فاروق اور فرزانہ ایک ساتھ بولے۔

"اچھی بات ہے – تم بھی چلو۔" انھوں نے کہا۔

"جیسے آپ لوگوں کی مرضی۔" خوش نصیب نے کندھے اُچکائے۔

اور وہ عمارت کے اندر داخل ہو گئے – نہ جانے کیوں
ان کے دل زور زور سے دھڑکنے لگے – بے شمار عجیب و غریب،
سنسنی خیز اور خوف ناک قسم کی مہمیں سر کرنے والوں کے
دلوں کا دھڑکنے لگنا بھی کچھ کم عجیب بات نہیں تھی۔

وہ چلتے ہوئے ہال کمرے میں داخل ہوئے – فرش پر
کوئی قالین والین نہیں تھا – اس لیے دروازہ صاف نظر آگیا:

"میں تالا کھول رہا ہوں – ڈھکنا اٹھانے سے پہلے آپ
مجھے ہال سے نکل جانے دیجیے گا۔" خوش نصیب خان کا چہرہ
دھواں ہو رہا تھا۔

"کیوں – کیا اژدھا ہال میں بھی آجاتا ہے؟"

"تو اور کیا – کیا میں بے وقوف ہوں – جو ڈر رہا ہوں۔"

اس نے بھنّا کر کہا۔

"پپ – پتا نہیں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"کس بات کا پتا نہیں۔" محمود نے اسے گھورا۔

"اس بات کا کہ مسٹر خوش نصیب بے وقوف ہیں یا نہیں۔"

خوش نصیب نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا
اور پھر اکڑوں بیٹھ کر تالا کھولنے لگا – چابی گھومتے ہی
تالا کھل گیا –

خوش نصیب خان چابی اور تالا اسی طرح چھوڑ کر اُٹھ
کھڑا ہوا اور ہال کے دروازے کی طرف بھاگا –

ایسے میں اچانک انسپکٹر جمشید اس کے راستے میں آ
گئے – اور انھوں نے ہاتھ پھیلا دیے – وہ ٹھٹک کر رک
گیا –

"کک – کیا مطلب؟"

"ہم بھی یہاں رہیں گے – اور آپ بھی۔"

"نن نہیں – میں – میں اس اژدھا سے بہت خوف زدہ
ہوں۔" اس نے کانپ کر کہا۔

"آپ ہمارے پیچھے ہو جائیں، لیکن ہم آپ کو کمرے سے
جانے نہیں دیں گے۔"

"آپ – آپ نہیں جانتے – ایک منٹ مسٹر پروفیسر ناگی –

ابھی دروازہ نہ اُٹھائیے گا۔" اس نے چیخ کر کہا۔

پروفیسر ناگی نے اس کی طرف دیکھا:

" بھئی اس قدر خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔" ناگی نے مُسکرا کر کہا۔

" آپ نہیں جانتے ۔ وُہ میری بُو پاتے ہی اُوپر آئے گا اور میرے پیچھے دوڑ پڑے گا اور پھر آپ مجھے اس سے نہیں بچا سکیں گے۔" اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا۔

" آپ کی بُو ۔ بھلا اسے آپ کی بُو کی کیا پہچان۔" فارُوق نے حیران ہو کر کہا۔

" میں کئی بار تہ خانے میں اُترنے کی کوشش کر چکا ہوں نا۔"

" میرا خیال ہے ۔ انسپکٹر صاحب ۔ اس بے چارے کو جانے دیں ۔ کہیں خوف سے اس کی مَوت نہ واقع ہو جائے۔" پروفیسر ناگی بولا۔

" دیکھ لیں ۔ کہیں بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے ۔

" جی ۔ کیا مطلب ۔ اس میں بھلا پچھتانے کی کیا بات ہو سکتی ہے۔" ناگی کے لہجے میں حیرت تھی۔

" پچھتانے کی بھی ایک ہی کہی ۔ پچھتانے کی بات تو کسی

بات میں بھی ہو سکتی ہے۔" فارُوق منمنایا۔

" کیا کہا ۔ آپ نے؟" ناگی نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

" پتا نہیں ۔ روانی میں کچھ کہ گیا ہوں ۔ آپ کچھ خیال نہ کریں۔"

" ان کا خوف کہیں ہمیں بھی نہ لے بیٹھے ۔ ایک اژدھا کو پکڑنے کے لیے حوصلے اور ہمت کے ساتھ ساتھ پُر سکون رہنے کی بھی ضرورت ہے ، لیکن ان کی وجہ سے ہمارا سکون درہم برہم ہو سکتا ہے۔" ناگی نے جلدی جلدی کہا۔

" اچھی بات ہے ۔ آپ کہتے ہیں تو میں انھیں جانے دیتا ہوں ۔ مسٹر خوش نصیب ۔ ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کا انجام سوائے مَوت کے اور کچھ نہیں ہوگا۔" انھوں نے پہلے مسٹر ناگی سے اور پھر خوش نصیب سے کہا۔

" دھوکا ۔ کیسا دھوکا ۔ آخر میں آپ لوگوں کو کیا دھوکا دے سکتا ہوں ۔ اور کیوں دوں گا ۔ جب کہ خزانے کے قریب آپ ہوں گے ۔ میں نہیں۔"

" ہُوں ۔ ٹھیک ہے ۔ آپ جائیں۔"

انسپکٹر جمشید نے اسے جانے کے لیے راستا دے دیا ۔ وُہ تیر کی طرح دروازے کی طرف گیا اور اس کو کھولتے

ہوئے باہر نکل گیا۔ عین اسی وقت ناگی نے دروازہ اُو
اُٹھا دیا اور جال ہاتھوں میں سنبھال کر بالکل چوکس ہ
گئے۔ اب جال اس دروازے پر پوری طرح موجود تھا۔
اگر اژدھا دروازہ کھلا پا کر اُوپر آتا تو سیدھا جال میں
آتا۔ دو تین منٹ تک وہ جال پکڑے کھڑے رہے۔
لیکن کچھ بھی نہ ہوا۔

"شاید۔ اس اُلّو نے ہمیں بے وقوف بنایا ہے۔" ناگی نے
بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"لیکن بے وقوف بنا کر اسے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر
جمشید نے انکار میں سر ہلایا۔

"پتا نہیں کیا چکر ہے۔ اس تہ خانے میں اگر دولت
پر اژدھا موجود ہوتا تو اب تک کم از کم اس کی پھنکار
تو ضرور سُنائی دیتی۔" ناگی بولا۔

"ہو سکتا ہے۔" فارُوق کہتے کہتے رُک گیا۔

"کیا ہو سکتا ہے؟" ناگی نے اسے گھورا۔

"ہو سکتا ہے۔ اژدھا سو رہا ہو۔ کیا اژدھے سوتے
نہیں۔"

"آپ ضرورت سے کچھ زیادہ شوخ واقع ہوئے ہیں۔" ناگی
نے جھنجلا کر کہا۔

"جی ہاں! آپ نے ٹھیک کہا۔ یہ شکایت ہمیں بھی ہے
اس سے۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"آخر آپ لوگ کب تک اس طرح جال پکڑے کھڑے رہیں
گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! اب شاید ہمیں نیچے ہی اُترنا ہو گا۔"

عین اُسی وقت ایک خوف ناک پھنکار گونجی۔ اور وہ
بُری طرح اُچھلے۔

ہم بھول رہے

ان کے چہروں پر خوف دوڑ گیا۔ جسموں میں لرزہ طار
ہو گیا۔ اس قدر خوف ناک پھنکار انھوں نے اپنی زندگی
پہلے کبھی نہیں سُنی تھی۔ اسی لمحے ایک اژدھے کا سر خل
میں سے نمودار ہوا۔ اُف مالک۔ وُہ کس قدر خوف ناک
پروفیسر ناگی اور اس کے ساتھی لڑکھڑا کر پیچھے ہٹے۔ اور
دروازے کی طرف بھاگے:

"یہ۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید چلّائے۔

"اور کیا کریں۔ یہاں ٹھہرنا۔ موت کو دعوت دینے کے
برابر ہے۔" ناگی نے چیخ کر کہا۔

اس وقت تک وُہ دوڑ کر دروازے تک پہنچ چکے تھے
جب کہ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق اور فرزانہ دُوسری طرف دیوار
کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ ان کا بھی حال بہت پتلا تھا۔

"لل۔ لیکن۔ آپ تو اژدھوں کے سب سے بڑے شکاری

ہیں۔" وُہ چلّائے۔

"ہوں گا۔ لیکن میں موت کے منہ میں نہیں کود سکتا۔
یہ اژدھا صرف اژدھا نہیں۔ اژدھوں کا بادشاہ بھی ہے۔"

"کیا۔ اژدھوں کا بادشاہ۔" وُہ ایک ساتھ چلّائے۔

"ہاں! آپ لوگ بھی باہر نکل آئیں۔ ورنہ ہڈیاں بھی پانی
بن جائیں گی۔"

"ہڈیاں سرمہ بن جائیں گی۔ یہ تو سُنتے آئے ہیں۔ لیکن
ہڈیاں پانی بن جائیں گی۔ پہلی بار سن رہے ہیں۔" فارُوق نے
فوراً کہا۔

"آپ کی مرضی۔ آپ رہیں شوق سے یہاں۔ ہم تو چلے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی ناگی نے دروازے میں لگا ہوا
موٹا سا لٹو پکڑ کر کھینچا۔ اور پھر اس کے ساتھ وہیں جمے
رہ گئے۔

"کیا ہوا ماسٹر۔ آپ رک کیوں گئے۔ کھولیے نا دروازہ۔"
شیکی نے لرزتی آواز میں کہا۔

"کک۔ کیسے۔ کھولوں۔"

"کیوں۔ کیا ہوا؟"

"وُہ۔ وُہ شیطان۔ دروازہ باہر سے بند کر چکا ہے۔"

"کیا!!!" وُہ ایک ساتھ چلّائے۔

ان کے چہروں پر اس مرتبہ ایسا خوف پھیلا کہ چہرے بد نما ہو گئے۔

" بھئی اس قدر ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ موت تو ایک دن آ کر رہے گی۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

" مم۔ موت۔ اور اس قدر بھیانک موت۔" ناگی نے تھرتھر کانپتی آواز میں کہا۔

" موت بھیانک ہو یا پُرسکون ہو۔ اس سے مرنے والے کی تکلیف میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نزع کی تکلیف تو ہوتی ہی ہے۔" محمود نے کہا۔

" پتا نہیں۔ آپ لوگ شاید لوہے کے بنے ہوئے ہیں۔ آخر آپ کیوں خوف زدہ نہیں ہوئے؟"

" پہلی بات تو یہ کہ ہم لوہے کے نہیں۔ مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ہمارا خوف زدہ ہو جانا ہمارے لیے نقصان دہ تو ضرور ہو سکتا ہے۔ فائدہ مند ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

" آپ کی ایک بات بھی ہمارے پلّے نہیں پڑ رہی۔"

" اس بات کو چھوڑیں اور صرف اس بات پر غور کریں کہ اس اژدھے کا مقابلہ ہم کس طرح کریں گے۔"

" اس جال کے سوا ہمارے پاس اور کچھ نہیں ہے۔ ہم نے جب بھی اژدھے پکڑے۔ اس جال سے پکڑے۔" ناگی نے

کہا۔

" لیکن اب آپ لوگ جال چھوڑ کر بھاگ کیوں کھڑے ہوئے۔ کیا آپ کے خیال میں یہ اس جال کو توڑ دے گا؟"

" جال کو نہ توڑ سکا۔ تب بھی۔ یہ ہمیں اپنی پلیٹ میں لے لے گا۔ یہ۔ یہ بہت بڑا ہے۔ بہت بڑا۔ جب یہ تمام کا تمام باہر نکل آئے گا۔ تو یہ کمرہ بھرا بھرا لگنے لگے گا۔ اس وقت سے پہلے پہلے ہمیں اس کمرے سے نکل جانا چاہیے۔"

" لیکن کیسے نکلیں۔ دروازہ بند ہے اور کوئی اور راستا ہے نہیں۔ روشن دان بہت اونچائی پر ہے۔"

" تب پھر ایک ہی راستا باقی ہے۔ اور وہ یہ کہ ہم مل کر اس اژدھے کا مقابلہ کریں۔ میرے پاس پستول موجود ہے۔"

" پستول۔" ناگی نے کہا اور ڈرے ڈرے انداز میں ایک قہقہہ لگایا۔

" کیوں۔ کیا بات ہے۔ کیا ہم پستول سے اس کو نہیں مار سکتے؟"

" نہیں۔ پستول کی گولیاں اس کو زخمی ضرور کر دیں گی۔ لیکن زخمی حالت میں یہ ہمارے لیے اور بھی خطرناک ثابت ہو گا۔"

" اور اگر ہم اس کی آنکھوں میں فائر کریں۔"

"تب بھی کچھ نہیں ہو گا۔ یہ ہماری طرف دیکھ کر نہیں، سُونگھ کر آگے بڑھے گا۔"

"اب جو بھی ہو۔ مقابلہ تو کرنا پڑے گا، کیوں نہ
اس جال کو پکڑ لیں اور اس خلا پر جال کو تان دیں۔
اس طرح یہ اُوپر اُبھر ہی نہیں سکے گا۔" محمود نے جلدی جلدی
کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ آؤ۔ بزدلی ہمارے کسی کام نہیں آ
گی۔"

انھوں نے لپک کر جال کے چاروں سِرے پکڑ لیے
ان کو زمین پر لگا دیا۔ اژدھا اُوپر اُٹھ رہا تھا۔ اس کے
ساتھ ساتھ درمیان سے جال بھی اُوپر اُٹھ رہا تھا۔ جال کا
بڑا تھا، اس لیے ابھی اور اُوپر اُٹھ سکتا تھا۔

اژدھے کا دھڑ اُوپر اُٹھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ
چاروں طرف سے تن گیا۔ اب جو اژدھے نے زور لگایا
ان کو بھی جال کو زمین سے لگائے رکھنے کے لیے پورا ز
لگانا پڑا۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید چلّائے:

"آپ لوگ بھی ہماری مدد کریں۔ اگر ہم اژدھے پر قا
نہ پا سکے تو آپ بھی ساتھ مریں گے۔ لہٰذا موت اور زند
کی اس جد و جہد میں ہمارا ساتھ دیں۔"

نہ جانے ان کی آواز میں کیا اثر تھا۔ وُہ یک دم ان کی طرف پلٹ پڑے۔ اور ہر ایک نے ایک ایک کونے پر ان کے ساتھ جال کو دبا لیا۔ اب جال آٹھ آدمیوں کی گرفت میں تھا اور اژدھا اکیلا جال کو اُوپر اُٹھا دینے کے لیے زور لگا رہا تھا۔ پھر جلد ہی انھیں یُوں محسوس ہونے لگا جیسے جال ان کے ہاتھوں سے آہستہ آہستہ سرک رہا ہو:

"ہمت نہ ہارو دوستو۔ اس وقت ہمیں صرف اور صرف ہمت کی ضرورت ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"خالی ہمت سے ہم کیا کر لیں گے۔" ناگی نے منہ بنایا۔

"ابّا جان۔ ہم۔ ہم بھول رہے ہیں۔" فرزانہ چلّائی۔

"کک۔ کیا بھول رہے ہیں؟"

"محمود کا چاقو۔"

"اوہ ہاں۔ محمود۔ چاقو نکالو۔" انسپکٹر جمشید چلّائے۔

"چاقو سے بھی کچھ نہیں ہو گا۔"

"کیوں۔ کیا ہم اس کی گردن نہیں اڑا سکتے۔"

"کک۔ کیسے؟" ناگی نے گھبرا کر کہا۔

"اژدھے آپ پکڑتے رہے ہیں اور پُوچھ مُجھ سے رہے ہیں۔" ان کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔

"ہم صرف پکڑتے رہے ہیں۔ مارتے نہیں رہے۔ اس وقت

بات مارنے کی ہو رہی ہے۔"

" اور مارنے کی بات اس لیے ہو رہی ہے کہ آپ لوگ اس کو پکڑ جو نہیں سکے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

" خیر خیر - آپ سے جو بھی کوشش ہو سکتی ہے - کر لیں۔"

" نکالو بھئی - چاقو - جلدی کرو - اب جال پہلے کی نسبت زیادہ تیزی سے سرک رہا ہے۔"

" لیکن ابا جان - چاقو نکالنے کے لیے تو مجھے جال پر سے ایک ہاتھ اُٹھانا ہو گا۔"

" اُٹھا لو - مجبوری ہے۔" انھوں نے کہا۔

محمود نے ایک ہاتھ اُٹھا لیا اور جُوتے کی ایڑی کی طرف بڑھایا - اسی وقت اس طرف والا سِرا ان کے ہاتھوں سے نکل گیا - ان سب کو ایک زور دار جھٹکا لگا - اور اژدھا کئی ہاتھ اُوپر اُٹھ گیا، اس کا پھیلاؤ دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو چکے تھے - پھر بھی وہ جال کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے -

" یہ لیجیے ابا جان چاقو۔" محمود بولا۔

انسپکٹر جمشید کو بھی ایک ہاتھ اُٹھانا پڑا - جُوں ہی اُنھوں نے چاقو ہاتھ میں لیا، ان کے والا سِرا بھی ہاتھ سے نکل گیا - اسی وقت اژدھے نے جھٹکا سا مارا اور وہ لڑکھڑا کر گرے - جال ان کے ہاتھوں سے نکل گیا؛ تاہم جال اژدھے کے منہ پر رہ گیا - اب اژدھا نے اپنا دھڑ فرش پر گرا دیا - اور آگے بڑھا - اس کی سیدھ میں اس وقت فاروق اور ناگی تھے - وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹے - اور چکر کاٹ کر انسپکٹر جمشید کی طرف آ گئے - اژدھے نے بھی فوراً اپنا رُخ تبدیل کر لیا - اور فرزانہ اور شیکی کی طرف بڑھا - انھوں نے بھی فوراً انسپکٹر جمشید کی طرف دوڑ لگا دی - وہ پھر مُڑا - اور محمود اور فونو کی طرف بڑھا - وہ بھڑک کر پیچھے ہٹے - اب اژدھا نے انسپکٹر جمشید کا رُخ کیا - ان کے ساتھ گریٹی تھا - گریٹی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا - اس کے پیچھے شیکی پہنچ چکا تھا - دونوں ٹکرائے - شیکی دھڑام سے گرا - گریٹی گرتے گرتے بچا:

" بھئی ذرا دیکھ کر۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

" ایسے میں دیکھیں کس طرح؟" فاروق بولا۔

" آنکھوں سے۔" انھوں نے کہا۔

اژدھا اب ان کی طرف بڑھ رہا تھا - وہ اپنی جگہ پُرسکون انداز میں کھڑے تھے - بس ان کے ہاتھ میں ننھا سا ایک چاقو تھا - ایسے میں ناگی کی نظر اس چاقو پر پڑی:

" ارے! اتنا ذرا سا چاقو - ابھی - اس سے کیا ہو گا۔"

" بس دیکھتے جائیں - یہ دراصل جادو کا چاقو ہے۔"

"جادو کا چاقو۔" ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں! آپ اس چاقو کے کمالات سے واقف نہیں۔ جو لوگ واقف ہیں۔ وہ ایسی بات ہرگز نہیں کہتے۔"

اور پھر اژدھا ان کے بالکل نزدیک آگیا۔ اس نے اپنا پھاڑ سا منہ کھول دیا۔ گویا انھیں نوالہ بنانے کے لیے تیار ہوگیا۔

"اُف مالک۔ اگر میں اس کے منہ میں چلا گیا۔ تو۔ میری تو ہڈیاں تک چبا جائے گا۔"

"کوئی ایسے ویسے۔ مزے لے لے کر چبائے گا۔" ناگی بولا۔

اسی وقت انسپکٹر جمشید نے چاقو والا ہاتھ چلایا۔ چاقو ٹھیک اژدھے کی گردن پر لگا۔ گردن کٹتی چلی گئی۔ اژدھا نے اپنی دُم کو زور سے زمین پر مارا۔ کمرہ ہل کر رہ گیا۔ پھر اس کی دُم اٹھی اور انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھی۔

اسی وقت انھوں نے پھر چاقو کا وار گردن پر کیا۔ گردن کا ایک بڑا حصّہ اور کٹ گیا۔ لیکن اس کی موٹائی چوں کہ بہت زیادہ تھی۔ اور چاقو کا پھل مختصر سا تھا۔ اس لیے پوری گردن اب بھی نہ کٹی۔ ادھر اس کی دُم ان کے جسم کے گرد لپٹنے لگی۔

"مارے گئے آپ تو۔" ناگی نے چلّا کر کہا۔

"اللہ نہ کرے۔" فرزانہ بے تاب ہو کر بولی اور جلدی سے آگے بڑھی۔

"نہیں۔ فرزانہ۔ تم آگے نہ بڑھنا۔ دُم کا ایک ہلکا سا جھٹکا بھی تمھیں دیوار سے ٹکرا دے گا۔"

"لیکن۔ میں آپ کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتی۔" اس نے کہا اور بدستور آگے بڑھتی رہی۔

محمود اور فاروق بھی اب نہ رک سکے۔ انھوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ تینوں نے مل کر دُم کو پکڑ لیا۔ بازوؤں میں لے لیا۔ اور اس سے لٹک گئے۔ تاکہ دُم کو زمین سے لگا دیں۔ ادھر اژدھے نے زور لگایا اور دُم کو اوپر اٹھانے کی کوشش کی۔ اور پھر انھوں نے ایک حیرت انگیز اور خوفناک منظر دیکھا۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کے جسم فرش سے اُوپر اُٹھتے چلے گئے تھے۔ اژدھا نے ان تینوں کو اپنی دُم پر اُٹھا لیا تھا۔

"دُم چھوڑ دو۔ اس سے پہلے کہ یہ جھٹکا مارے۔ دُم چھوڑ دو۔" ناگی نے چلّا کر کہا۔

"ادھر ہم نے دُم چھوڑی۔ اُدھر۔ دُم ابّا جان کے گرد لپٹی۔ ہم اپنی جانیں تو دے سکتے ہیں۔ لیکن ابّا جان کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتے۔"

"تب پھر۔ تم گئے۔" ناگی بولا۔

"پروا نہیں۔" محمود نے کہا۔

تینوں نے اپنے بازو خوب مضبوطی سے اژدھے کے گرد جکڑ دیے۔ تاکہ اژدھا جھٹکا مارے تو ان کے بازو اس کے دھڑ سے الگ نہ ہو سکیں۔ ادھر انسپکٹر جمشید چاقو کے وار پر وار کر رہے تھے۔ ناگی اور اس کے ساتھی آنکھیں پھاڑے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ اچانک اژدھے کی گردن کٹ گئی۔ ساتھ ہی اس کی دُم کو ایک زبردست جھٹکا لگا۔ تینوں گویا اُڑتے ہوئے دیوار سے جا ٹکرائے۔ ان کے بازو اژدھا کی دُم سے چمٹے نہ رہ سکے تھے۔

لیکن اب اژدھا کی گردن کٹ چکی تھی۔ اب دُم ان کی طرف نہ بڑھ سکی۔ بلکہ فرش پر بڑی تیزی سے حرکت کرنے لگی۔ خون کا ایک فوارہ اژدھے کی گردن سے نکل نکل کر فرش پر پھیلنے لگا۔ اور پھر تہ خانے میں خُون کا سیلاب گرنے لگا۔ خُون گرنے کی باقاعدہ آواز پیدا ہو رہی تھی۔

"دُم کے ساکت ہونے میں بہت دیر لگی، لیکن آخر کار وہ ساکت ہو گئی۔

"اب ہمیں کسی نہ کسی طرح اس دروازے کو توڑنا ہو گا۔ یا کھولنا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔ پھر کچھ سوچ

کر وہ دروازے پر آئے اور اسے زور سے دھڑ دھڑایا۔ پھر چلّا کر بولے:

"مسٹر خوش نصیب خان۔ ہم اژدھے کو مارنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ اب دروازہ بند رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔"

"لیکن اس کا ثبوت کیا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ آپ غلط بیانی سے کام لے رہے ہوں۔"

"افسوس۔ آپ نے ہم سے دھوکا کیا۔ اور اب جھوٹا بھی ہمیں کہہ رہے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابھی تک خون بہہ کر کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ کیا آپ نے اژدھے کو گلا گھونٹ کر مارا ہے۔" خوش نصیب نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"نن۔ نہیں۔ گلا گھونٹ کر نہیں۔ بلکہ ایک ننھے سے چاقو سے مارا ہے۔"

"تب پھر۔ اس کا خُون باہر کیوں نہیں نکلا۔ اتنا کم خُون تو اس کا ہو گا نہیں۔"

"خون بہہ بہہ کر تہ خانے میں جا رہا ہے۔ فرش کا رُخ اس طرف کو ہے۔ اور اگر آپ کو یقین نہیں تو ہم کچھ خُون بہا کر اس طرف بھی لے آتے ہیں۔"

"ہاں! ایسا ضرور کریں۔" باہر سے کہا گیا۔

انھیں گھن تو بہت آئی۔ لیکن مرتے کیا نہ کرتے۔
اپنا جوتا نکال کر اس کی مدد سے خون کو سرکا کر دروازے
تک لے گئے۔ کچھ خون دروازے سے باہر نکل گیا۔

"آپ نے خون دیکھ لیا؟"

"ہاں! دیکھ لیا۔ اور یہ یقین بھی ہو گیا کہ اژدھا ختم ہو چکا
ہے۔ اب دروازہ کھولنا ہی ہو گا۔ لیکن آپ کو ایک وعدہ
کرنا ہوگا۔" خوش نصیب خان نے کہا۔

"وعدہ۔ کیسا وعدہ۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"یہ کہ دروازہ کھلتے ہی آپ مجھ پر ٹوٹ نہیں پڑیں
گے، کیوں کہ مجھ پر غصّہ آپ سب کو آ رہا ہوگا۔"

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ دروازہ کھول دیں۔"

آخر انھوں نے کنڈا کھلنے کی آواز سنی۔ پھر دروازہ کھل
گیا۔ لیکن دوسرا لمحہ حیران کن تھا۔ ان کے سامنے بیس
کے قریب آدمی کھڑے تھے۔ ان بیس کے بیس کے ہاتھوں
میں پستول تھے۔ اور ان کے رخ ان کی طرف تھے۔ ان کے
درمیان میں خوش نصیب تھا۔ اور وہ بھی خالی ہاتھ نہیں تھا:

"یہ۔ یہ کیا مسٹر خوش نصیب؟" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"چوں کہ اس خزانے پر صرف اور صرف ہمارا حق ہے۔
اس لیے یہ رہے گا بھی ہمارا ہی۔"

ٹھیک ہے۔ بڑی خوشی سے اسے آپ رکھیں۔ آخر یہ
کا خاندانی خزانہ ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ آپ لوگوں نے
پر پستول کیوں تان رکھے ہیں۔"

"احتیاط کے طور پر۔ جب تک ہم اس خزانے کو یہاں
لے نہیں جاتے اور ایک خفیہ جگہ منتقل نہیں کر دیتے،
وقت تک آپ لوگوں کو بطور مہمان ہمارے پاس یہیں
ہو گا، اس کے بعد آپ لوگ آزاد ہوں گے —
نے ہماری ایک بہت بڑی مشکل آسان کی ہے —
سے ہم بہت خوف زدہ تھے — ہم آپ کے احسانمند
"

"یہ احسان ماننے کا اچھا طریقہ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے
کر کہا —

"ہم نے آپ کے لیے بھی کچھ حصّہ طے کیا ہے —
کا حصّہ آپ کو ضرور ملے گا — سونے کا ایک ایک
آپ آٹھوں کو ملے گا — اس تہ خانے میں سونے کے
بھی موجود ہیں۔"

"اوہ — اور آپ کو یہ کس طرح معلوم ہوا؟" محمود نے حیران
کر پوچھا —

"معلوم کیوں نہ ہو گا — آخر یہ ہمارا خاندانی خزانہ ہے۔"

"ہوں ۔ ٹھیک ہے ۔ لیکن آپ ہماری فکر نہ کریں
ہمیں سونے کے ہاروں کی قطعاً ضرورت نہیں ۔
یہ کہ آپ اس خزانے کو ہاتھ بھی نہ لگائیں"۔ انسپکٹر
تیز لہجے میں بولے ۔

"کیا مطلب"؟

سب کے سب زور سے چونکے ___

خفیہ جیب

یا کہا آپ نے ۔ ہم خزانے کو ہاتھ بھی نہ لگائیں"۔ خوش نصیب
نے منہ بنا کر کہا۔

ں! میں نے یہی کہا ہے ۔ پہلے ہم اس خزانے کا
یں گے ۔ تحقیقات کریں گے کہ آیا آپ واقعی شاہی
سے تعلق رکھتے ہیں ۔ اور کیا اس شاہی خاندان نے
وئی خزانہ چھوڑا تھا ۔ اگر ان باتوں کی تصدیق ہو
خزانے کے مالک آپ ہوں گے ۔ نہ ہو سکی تو خزانہ
خزانے میں جمع کرایا جائے گا"۔

۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب"؟ خوش نصیب دھک
و گیا ۔

ں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں ۔ خزانوں پر حکومت
کا حق ہوا کرتا ہے ۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنا خاص
خزانے سے ثابت کر دے تو دوسری بات ہے ۔

اس صورت میں بھی حکومت اس خزانے پر ٹیکس تو وصو
کرے گی ہی"۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ خیر۔ یہ بعد کی باتیں ہیں۔ اس وقت تو
ہماری زد پر ہیں اور ہمارا پروگرام اس سے مختلف
خوش نصیب نے شوخ آواز میں کہا۔

"چلیے خیر۔ ہم آپ لوگوں کا پروگرام بھی سُن لیتے
انسپکٹر جمشید نے کندھے اچکائے۔

"ہمارے پروگرام کی پہلی قسط تو یہ ہے کہ آپ
باندھ دیا جائے"۔

"اور دوسری قسط"۔ فاروق جل گیا۔

"پہلے پہلی قسط پر تو عمل کر لیں"۔ اس نے کہا۔

"تو پھر باندھنا شروع کرو نا بھئی"۔ انسپکٹر جمشید نے
بنایا۔

"ایسے نہیں۔ مسٹر ناگی۔ آپ اژدھوں کے شکاری ہیں
باندھنے کا تجربہ تو بہت ہو گا۔ ہم آپ کی طرف
کا ایک بڑا سا گولا اچھال رہے ہیں۔ آپ اس رسی
باری باری ان سب کے ہاتھ کمر کی طرف باندھ دیں"۔

"بہت اچھا"۔ ناگی نے پریشان آواز میں کہا۔
فوراً ہی رسی کا گولا اس کی طرف اچھال دیا گیا۔

اور وہ باری باری انھیں باندھنے لگا۔ یہاں تک کہ سب کے
ہاتھ باندھ دیے۔

"اب ان کے پَیر بھی باندھ دیں۔ بہت بہت شکریہ"۔
خوش نصیب نے کہا۔

ناگی نے کچھ کہے بغیر پَیر بھی باندھ دیے۔

"اب ہم میں سے ایک آدمی آپ کو باندھے گا۔ اگر آپ
نے حرکت کرنے کی ذرا بھی کوشش کی تو پھر شہر آپ کی
بجائے یہاں سے آپ کی لاش جائے گی"۔

"نن۔ نہیں"۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔

"چلو شارو۔ اس کو بھی باندھ دو"۔
ایک لمبے قد کا آدمی ان کے درمیان سے نکلا اور ناگی کو
باندھنے لگا۔

"میں اپنے کام سے فارغ ہو چکا ہوں"۔

"شکریہ۔ اب تک تو انھوں نے خود ایک دوسرے کو باندھا
ہے۔ اب ہم باندھیں گے"۔ خوش نصیب نے کہا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"ہو سکتا ہے۔ مسٹر ناگی نے باندھنے کے معاملے میں کوئی
بے ایمانی کی ہو۔ جیسا کہ اپنے گھر میں انھوں نے مجھ
سے بے ایمانی کی تھی۔ لہٰذا ہم ان رسیوں کے اوپر اور

رسیاں باندھیں گے۔ تاکہ کسی قسم کا شک نہ رہ جائے۔
شارو۔ تم یہ کام بخوبی کر سکو گے، کیوں کہ تمھیں بہت تجربہ
ہے۔ اور ہاں۔ ان سے وہ چاقو بھی وصول کر لو۔ جس
سے انھوں نے اژدہے کا صفایا کیا ہے۔"

"فکر نہ کریں سر۔" اس نے کہا۔

اور باری باری پھر سے سب کو باندھ گیا۔ شارو نے
انسپکٹر جمشید کی باری پر ان کی تلاشی بھی لی۔ اور بولا:

"سر۔ چاقو تو ان کے پاس نہیں ہے۔"

"تو ان کے کسی ساتھی کے پاس ہو گا۔"

شارو نے سب کی تلاشی لی، لیکن چاقو کسی کے پاس
سے برآمد نہ ہو سکا:

"ان میں سے بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔"

"کہیں وہ کمرے میں تو نہیں رہ گیا۔ کیوں جناب۔ چاقو
کہاں ہے؟"

"تلاش کر لو۔ تلاشی لے لو۔" انھوں نے منہ بنایا۔

"تو آپ خود ہی بتا دیں نا۔"

"نہیں۔ میں نہیں بتا سکتا۔" وہ بولے۔

"خیر۔ گولی مارو چاقو کو۔ ان کے ہاتھ پیر بس اس طرح
جکڑ دو کہ یہ ذرا بھی نہ ہل جل سکیں۔"

ر کام میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔"

تب پھر۔ ان کو عمارت کے پچھلی طرف جو جھاڑیاں ہیں،
جھاڑیوں کے درمیان منتقل کر دو۔"

انھیں اٹھایا جانے لگا۔ گھنی جھاڑیوں کے درمیان انھیں پٹک
یا۔ اس وقت خوش نصیب نے کہا:

ہم خزانہ لے کر جا رہے ہیں۔ آپ سے بھی درخواست کریں
ر ہمارے راستے میں نہ آئیے گا۔ ہم بھی آپ سے کوئی
نہیں رکھیں گے۔ اور اگر آپ لوگ دخل اندازی سے باز
ئے تو پھر ہم آپ لوگوں کا کوئی لحاظ نہیں کریں گے۔"

اچھی بات ہے۔ ان رسیوں سے آزاد ہونے کے بعد ہم
ریں گے اور جو فیصلہ بھی ہم نے کیا۔ آپ کو اطلاع کر
گے، بس ذرا آپ اپنا پتا لکھوا دیں۔" فاروق نے خوش
کہا۔

کر نہ کریں۔ جب آپ لوگ دوسری دنیا میں پہنچ جائیں
تو ہمارا پتا آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا۔" خوش
نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

گ۔ کیا مطلب۔ کیا آپ ان دنوں دوسری دنیا میں
ہے ہیں؟" فاروق گھبرا گیا۔

جی ہاں! بہت عجیب ہے وہ دنیا۔" وہ مسکرایا۔

اور وُہ ان کے پاس سے ہٹ کر عمارت کے دروازے کی
طرف چلے گئے۔

"یہ سب کیا ہے ابّا جان۔ کیا اس تہ خانے میں واقعی
کوئی خزانہ موجود ہے؟" فرزانہ بڑبڑائی۔

"پتا نہیں۔ یہ تو نیچے اُترنے پر ہی معلوم ہو سکتا تھا
اور نیچے اترنے کی ہمیں مہلت نہیں ملی۔" وُہ بولے۔

"حیرت اس بات پر ہے کہ یہ اتنے بہت سے لوگ، ان
سارے پستولوں سے بھی اژدھا کو ختم کرنے کی جرأت نہیں
کر سکے۔"

"خوف کی وجہ سے۔ جب کسی چیز کا خوف ذہنوں پر سوار
ہو جائے تو آدمی اس کے مقابلے میں بے کار ہو جاتا ہے۔"

"گگ۔ کیا ہم اپنا پروگرام شروع کریں۔" محمود نے دبی
آواز میں کہا۔

"گگ۔ کیسا پروگرام؟" ناگی ہکلایا۔

"بس دیکھتے جائیں۔"

وُہ ان کی طرف دیکھنے لگے۔ چاقو محمود کے جُوتے میں ہی تھا
کمرے میں اس نے اپنے والد سے لے کر پھر ایڑی میں رکھ
لیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ وُہ انھیں نہیں مل سکا تھا۔
محمود چت لیٹ گیا اور اپنے پیر انسپکٹر جمشید کے ہاتھوں کی

طرف کر دیے۔ انھوں نے بندھے ہوئے ہاتھوں سے ہی جوتے
کی ایڑی کو سرکا دیا۔ ایسا کرنے میں انھیں دشواری تو
بہت پیش آئی، لیکن کامیاب ہو گئے۔

چاقو ایڑی میں سے نکل کر نیچے گر پڑا۔ اب انسپکٹر
جمشید اپنا منہ اس کی طرف سرکانے لگے۔ یہاں تک کہ انھوں
نے دانتوں میں چاقو کو پکڑ لیا۔ اب مرحلہ تھا چاقو کو کھولنے
کا۔ ناگی اور اس کے ساتھی حیرت زدہ انداز میں ان کی
کوششوں کو دیکھ رہے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے تین چار بار چاقو
کو چھوڑا اور دانتوں سے پکڑا۔ یہاں تک کہ دستہ ان کے
دانتوں میں آ گیا۔ اب انھوں نے اپنا منہ فرزانہ کے
منہ کی طرف کیا:

"لو فرزانہ۔ اس کا پھل دانتوں میں دبا کر کھینچ لو۔"

فرزانہ پہلے ہی تیار تھی۔ اس نے پھل کو دانتوں میں
پکڑ کر کھینچ لیا۔ چاقو کھل گیا۔ انسپکٹر جمشید نے اس کو
نیچے گرا دیا۔ اس وقت تک کی کوشش میں تقریباً دس منٹ
صرف ہو چکے تھے۔ اب پھر انھیں چاقو دانتوں میں لے
کر ان میں سے کسی ایک کی رسی پر چلانا تھا۔ اور یہ
کام اور بھی صبر آزما ہوتا، کیوں کہ منہ سے چاقو پر زیادہ
دباؤ تو ڈالا نہیں جا سکتا۔ دوسری طرف رسی بھی نائیلون

کی تھی ۔ اور کافی موٹی بھی تھی ، لیکن کسی ایک کی رسی کھلتے ہی
کام بالکل آسان ہو جاتا ۔

انھوں نے چاقو دانتوں میں پکڑ لیا ۔ اور فرزانہ کے
ہاتھوں پر بندھی رسی پر اس کا پھل پھیرنے لگے ۔ آدھ گھنٹے
تک وہ اس کوشش میں مصروف رہے ۔ تب کہیں جا کر رسی کٹی۔
فرزانہ نے ہاتھوں کو جھٹکے پر جھٹکا دیا تو اس کے بل کھلتے
چلے گئے ، لیکن نیچے دوسری رسی تھی ۔ ایک بار پھر انسپکٹر جمشید کو
کام شروع کرنا پڑا اور اس طرح آدھ گھنٹا اور صرف ہو گیا ۔
گویا پورے ایک گھنٹے بعد وہ فرزانہ کے ہاتھ پر بندھی دوسری
رسی کو کاٹنے میں کامیاب ہوئے ۔ اور ابھی فرزانہ جھٹکے مار
مار کر رسی کے بلوں کو کھول رہی تھی کہ اچانک قدموں کی
آواز گونجی ۔ انھوں نے جلدی سے سر اُٹھائے تو خوش نصیب
چلا آ رہا تھا ۔ فرزانہ جلدی سے کمر کے بل لیٹ گئی ۔ دوسرے
بھی رسی کے ٹکڑوں کو چھپانے کے لیے اس کے اوپر ہو
گئے ۔ چاقو انسپکٹر جمشید نے اپنے پہلو کے نیچے چھپا لیا۔

" ہیلو دوستو ! ہم یہاں اپنا کام مکمل کر چکے ہیں ۔ اور
اب یہاں سے رُخصت ہو رہے ہیں ۔ تم لوگ کسی نہ کسی
طرح چند گھنٹوں تک تو رسیوں کو کھول ہی لو گے ۔ بس میں
ک نظر یہ دیکھنے آیا ہوں کہ تم میں سے کسی کی رسیاں

کھل تو نہیں گئیں ۔"

" ضرور دیکھ لو ۔ لیکن تم لوگ جا کہاں رہے ہو ۔ پہلے
یہ بتا دو ۔"

" جانا کہاں ہے ۔ بس اپنے گھر جائیں گے ۔"

" اور ۔ خزانہ ۔ اس کا کیا بنا ؟" محمود بولا ۔

" خزانہ ہم اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں ۔" اس نے مسکرا
کر کہا ۔

" تت ۔ تو کیا ۔ تم لوگ سارا خزانہ تہ خانے سے نکال
چکے ہو ؟"

" تو اور کیا ۔ بھلا خزانہ بھی کوئی چھوڑنے کی چیز ہوتی
ہے ۔" اس نے مُسکرا کر کہا ۔

" اور جاؤ گے کہاں ؟"

" ایسی جگہ ۔ کہ تمھارے فرشتوں کو بھی پتا نہ چل سکے ۔"

" کیا تم یہ سمجھتے ہو ۔ اس خزانے کو لڑے بھڑے بغیر
آپس میں تقسیم کر لو گے ۔"

" ہاں کیوں ۔ ایسی کونسی بات ہے ۔" اس نے چونک کر کہا ۔

" میرا خیال ہے ۔ ایسا نہیں ہو سکے گا ۔" انھوں نے عجیب
سے لہجے میں کہا ۔

" کیا مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ۔ تمھارا ہر ساتھی یہ چاہے گا کہ سارا خزانہ
صرف اور صرف اس کو مل جائے۔ لہٰذا کسی نہ کسی طرح
دوسروں کا حصّہ ہڑپ کرنے کی کوشش کرے گا۔"

"نہیں۔ ایسا نہیں ہوگا۔ ہم پہلا کام یہ کریں گے کہ
سارا خزانہ تقسیم کرلیں گے۔ اور مختلف سمتوں میں نکل جائیں
گے۔ یعنی پھر آپس میں کوئی تعلق دوسرے سے نہیں رکھیں
گے۔ ہم یہ بات پہلے ہی طے کر چکے ہیں۔"

"خیر۔ ہو سکتا ہے۔ ایسا ہو جائے۔ لیکن بظاہر ایسا
نظر نہیں آتا۔ ہر کوئی دوسرے آدمی کی ٹوہ میں رہے گا۔
اور اس کا حصّہ کسی نہ کسی طرح حاصل کرنے کی کوشش کرے
گا۔ اس طرح تم سب کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ لہٰذا
بہتر یہ رہے گا کہ تم یہ خزانہ سرکاری خزانے میں داخل کرا
دو۔ ہمارے ملک کو ان دنوں ضرورت بھی بہت ہے۔ سابقہ
حکومت کے وزیروں اور بڑے بڑے سرکاری افسروں نے سرکاری
خزانے کو اس قدر نقصان پہنچایا ہے کہ ملک کی حالت حد درجے
ردی ہو چکی ہے۔ ہو سکتا ہے۔ یہ خزانہ بہت بڑا ہو۔
اس لیے۔ ملک کو کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔" وہ روانی کے عالم
میں کہتے چلے گئے۔

"اس ملک سے ہمیں ملا کیا ہے کہ ہم اس کے بارے میں

...ہیں۔" اس نے منہ بنا کر کہا۔

"اچھا جیسے تمھاری مرضی۔"

"میں اب چلتا ہوں۔" اس نے کہا اور عمارت کی طرف قدم
...ھانے لگا، لیکن پھر اچانک رکا اور ان کی طرف مڑتے ہوئے
...لا:

"میں بھی عجیب احمق ہوں۔ آیا تھا رسیوں کو چیک کرنے کے
... اور چل دیا یونہی۔"

اب اُس نے ایک ایک کی رسی کو چیک کرنا شروع کیا،
...اں تک کہ فرزانہ کی باری آ گئی۔

"چلو لڑکی۔ اُٹھ کر رسی چیک کراؤ۔"

"...س۔ سوری۔ میں نہیں چیک کرا سکتی۔"

"...گ۔ کیوں۔ کیا ہوا؟"

"میرے لیے اُٹھنا بہت مشکل ہو رہا ہے۔"

"تو میں خود اُٹھا دیتا ہوں تمھیں۔"

"نہیں۔ اس طرح مجھے تکلیف ہوگی۔" اس نے کہا۔

"ہوتی ہے تو ہوتی رہے۔" خوش نصیب نے جھلا کر کہا۔

"مسٹر خوش نصیب۔ ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" انسپکٹر جمشید
...قدرے تیز لہجے میں کہا۔

"...گ۔ کون سی بات؟"

"یہ کہ ـ خزانے کے راز میں اتنے بہت سے آدمی کس ط
شامل ہو گئے؟"

"یہ شامل ہو نہیں گئے ـ شروع سے ہی شامل ہیں۔"

"گگ ـ کیا مطلب؟"

"پتا نہیں اس کا کیا مطلب ہے ـ میں ہر بات بتانے کا
نہیں ہوں۔" اس نے جھلا کر کہا اور فرزانہ کو سر کے بالوں
پکڑ کر اُٹھا دیا:

"ارے! یہ کیا!" اس کے منہ سے نکلا۔

★

"یہ ـ یہ رسی کس طرح کاٹ ڈالی تم لوگوں نے؟" اس
کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"پپ ـ بس ـ کیا بتائیں ـ شرم آئے گی بتاتے ہوئے۔" فا
نے منہ بنا کر کہا۔

"کیا کہا ـ شرم آئے گی ـ کیوں شرم آئے گی؟" اس
حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"جی ـ وہ ـ اب شرم کا کیا ہے ـ کسی بھی وجہ سے
سکتی ہے ـ آپ یا ہم اس کو آنے سے روک سکتے ہیں بھلا

فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"پتا نہیں ـ تم کیا باتیں کر رہے ہو ـ میرے پلے تو پڑ
نہیں رہیں ـ سیدھی طرح بتاؤ ـ رسی کس طرح کٹ گئی؟"

"آپ اس سے ہی کیوں نہیں پوچھ لیتے۔" فاروق بولا۔

"گگ ـ کس سے ـ اس لڑکی سے؟"

"ارے نہیں ـ رسی سے۔" فاروق مسکرایا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" یہ کہ کر اس نے منہ سے سیٹی
کی آواز نکالی ـ فوراً ہی دوڑتے قدموں کی آواز گونجی اور پھر اس
کے کئی ساتھی وہاں پہنچ گئے:

"ان سب کی رسیاں پھر سے چیک کرو ـ اور اس لڑکی کے
ہاتھ پر رسی دوبارہ باندھ دو۔" اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ارے! یہ کس طرح کٹ گئی؟"

"اگر مجھے معلوم ہوتا تو ضرور بتاتا ـ جلدی کرو۔" اس نے
جھلا کر کہا۔

اس کے ساتھی اپنے کام میں مصروف ہو گئے ـ ان کے
دل دھک کر رہے تھے ـ انھیں ڈر صرف یہ تھا کہ کہیں
چاقو ان لوگوں کے ہاتھ نہ لگ جائے ـ اگر ایسا ہو جاتا تو پھر
ان کے لیے مشکلات ہی مشکلات تھیں ـ اور کسی حد تک تو مشکلات
وہ پیدا کر ہی چکے تھے، کیوں کہ اب بار پھر انھیں رسی کاٹنے

کے مرحلے سے گزرنا تھا۔

اور پھر انسپکٹر جمشید کی رسیاں چیک کرنے کی باری آ گئی۔ انھوں نے ان کی رسیاں بھی چیک کیں۔ انھیں الٹ پلٹ کر بھی دیکھا، اس دوران ان کے دل زور زور سے دھڑکتے رہے۔ آخر وُہ لوگ آگے بڑھ گئے اور انھوں نے سکون کا سانس لیا۔

تھوڑی دیر بعد وُہ لوگ وہاں سے جا چکے تھے:

"ابا جان۔ چاقو آپ نے کہاں چھپایا؟" فارُوق نے دبی آواز میں پُوچھا۔

"م۔ منہ۔ میں۔" انھوں نے کہا اور چاقو اگل دیا۔

وُہ دھک سے رہ گئے۔ کھلا ہوا چاقو۔ اتنی دیر تک منہ میں رکھنا بھی انھی کا کام تھا۔ کافی دیر گزرنے کے بعد انھیں یقین ہو گیا کہ خوش نصیب وغیرہ جا چکے ہیں۔ اب انھوں نے پھر سے رسیاں کاٹنے کا پروگرام بنایا۔ اور اس طرح ایک گھنٹے کے بعد وُہ آزاد ہو سکے۔

اب وُہ اٹھ کر عمارت کے دروازے کی طرف آئے، دروازہ کھُلا تھا۔ اندر کوئی نہیں تھا۔ ہال میں اژدھا کی لاش اسی طرح پڑی تھی۔ اور تہ خانے کا دروازہ بھی کھُلا تھا۔ انھوں نے ٹارچ روشن کی اور اس میں اُتر گئے۔ تہ خانہ بہت بڑا تھا۔ اس کے کچے فرش پر بے شمار قدموں کے نشانات تھے۔

بہت سی بے کار چیزیں اِدھر اُدھر بکھری پڑی تھیں۔ چند لکڑی کی پیٹیاں بھی کھُلی پڑی تھیں۔ لیکن سونا چاندی، ہیرے، جواہرات کی قسم سے کوئی چیز بھی تہ خانے میں نہیں تھی۔

"وُہ صفایا کر گئے۔" ناگی نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں! اب ہمیں واپس جانا چاہیے۔ یہاں اب کیا رکھا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تت۔ تو کیا۔ وُہ لوگ پورا خزانہ ڈکار لیے بغیر ہضم کر جائیں گے۔" ناگی نے حیران ہو کر کہا۔

"نہیں۔ میں انھیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔"

انھوں نے عمارت کو تالا لگایا اور شہر کی طرف روانہ ہوئے، شہر پہنچتے ہی انھوں نے ناگی وغیرہ پر پستول تان دیا:

"کک۔ کیا مطلب؟" ناگی چونکا۔

"اس کیس کے پہلے مُجرم تم چاروں ہو۔ خوش نصیب چاہے جس ارادے سے بھی آیا تھا۔ تم لوگ اسے زخمی کر کے اور باندھ کر ڈگی میں بند کر کے لے جا رہے تھے۔ اور یہ بالکل غیر قانونی کام تھا۔ اس جُرم میں میں تم لوگوں کو پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔"

ناگی اور اس کے ساتھی ساکت رہ گئے۔ انھیں پولیس کے حوالے کر کے، وُہ اپنے دفتر پہنچے۔ وہاں سے ماہرین کو ساتھ

لیا اور بڑی گاڑی میں پھر اس عمارت تک آئے - اب تیز روشنی میں تہ خانے کا جائزہ شروع کیا گیا - وہاں پڑی چیزوں کی تصاویر لی گئیں - انسپکٹر جمشید نے ایک ایک چیز کو بغور دیکھا، ایسے میں فرزانہ کی آواز اُبھری:

"ابا جان - یہ - یہ دیکھیے۔"

وہ اس کی طرف لپکے - فرزانہ چمڑے کے ایک بیگ پر جھکی ہوئی تھی - انھوں نے بھی بیگ کو اچھی طرح دیکھا - وہ بہت پرانا تھا، لیکن اس کا چمڑا اب بھی نرم تھا -

"اس میں اندر کی طرف ایک خفیہ جیب ہے - اس جیب نے ہی مجھے اس میں دل چسپی لینے پر مجبور کیا ہے۔"

"ہوں - جیب میں اگر کوئی چیز ہے تو اس کو نکال لو۔" انسپکٹر جمشید نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"اگر خوش نصیب کو یہ بات معلوم ہوتی کہ اس بیگ میں کوئی خفیہ جیب ہے - اور اس میں کچھ کاغذات ہیں تو وہ کبھی اس بیگ کو یہاں نہ چھوڑ جاتا۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا اور بیگ کی جیب میں موجود کاغذات نکال لیے -

انھوں نے دیکھا - وہ چند خطوط تھے - انھوں نے خطوط کو قبضے میں کر لیا اور باقی چیزوں کو دیکھتے رہے - لکڑی

کی ایک خالی پیٹی کے کونے میں پیتل کا ایک بٹن پڑا نظر آیا - ایسے بٹن ایک مدت پہلے اونی کوٹوں میں لگائے جاتے تھے -

انھوں نے بٹن اُٹھا کر دیکھا اور پھر انسپکٹر جمشید کو اپنے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑتی محسوس ہوئی -

وہ .... وہ

اُن کی کار ایک سرائے کے سامنے رُکی ۔ سرائے بہت پُرانی طرز کی تھی ۔ انسپکٹر جمشید انھیں ساتھ لیے سیدھے اندر گھس گئے ۔ کاؤنٹر پر ایک لمبے قد کا آدمی بیٹھا تھا ۔ آنکھوں پر موٹے شیشوں کی عینک تھی ، جُوں ہی اس کی نظریں ان پر پڑیں ، وُہ اُچھلا اور پھر اس کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا :

"مم ۔ ماسٹر ۔ یہ آپ ہیں ۔ آپ اور اس گھٹیا جگہ ۔ مجھے فون کر دیا ہوتا ۔ سر کے بل ۔ چل کر آتا ۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

"نہیں ڈونکی ۔ پیاسا خود کنوئیں کے پاس جاتا ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ان ۔ ان گندی کرسیوں پر ۔ آپ کو بٹھاتے ہوئے ۔ مجھے شرم آ رہی ہے۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کوئی بات نہیں ۔ ہم ۔ خود بیٹھ جاتے ۔ ہیں۔" فاروق نے اس کے انداز میں کہا۔

"بُری بات ہے فارُوق ۔ دُوسروں کی نقل نہیں اتارتے۔" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"لیکن ۔ ابا جان ۔ یہ جُملوں کی ایسی کی تیسی کیوں پھیر رہے ہیں۔"

"یہ اسی انداز میں باتیں کرنے کا عادی ہے ۔ مسٹر ڈونکی ، میں ایک چیز آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔" وُہ بولے۔

"ضرور وُہ چیز اہم ہو گی۔" اس نے کہا۔

"ہاں ! خیال تو یہی ہے۔"

"وُہ چیز دکھانے سے پہلے ۔ میری ایک بات ۔ سُن لیں ۔ تو مہربانی ہو گی۔" اس نے کہا۔

"سُنائیے۔"

"میں نے ایک مدت ہوئی ۔ کوئی جُرم نہیں کیا ۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد مجرم کا منہ بھی نہیں دیکھا۔"

"سچ ۔ جرم کا منہ ۔ بھئی واہ۔" فارُوق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیوں ۔ کیا بات ہے ۔ اس میں خوش ہونے کی کیا بات ہے۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہے ایک بات — آپ میری ایک بات سُنیے۔" انسپکٹر جمشید نے جھنجلا کر فاروق کی طرف دیکھا۔

"جی فرمائیے۔"

"میں جانتا ہُوں — آپ جرائم سے توبہ کر چکے ہیں۔ بس میں تو آپ سے ایک سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے آیا ہُوں۔"

"اگر میں آپ کی کوئی خدمت کر سکا تو یہ بات میرے لیے بہت خوشی کی ہو گی۔"

"اچھا تو پھر اس بٹن کو دیکھیے۔" انھوں نے یہ کہ کر پیتل کا بٹن نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

اس نے تھرتھر کانپتے ہاتھوں سے بٹن لے لیا۔ چند لمحے تک اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتا رہا، پھر کانپ کر بولا:

"اس میں کوئی شک نہیں — یہ بٹن بھورا بلّا گروہ کے کسی آدمی کا ہے، کیوں کہ اس پر بھورا بلّا بنا ہوا ہے۔"

"مجھے بھی یہی اُمید تھی۔" انسپکٹر جمشید مُسکرائے۔

"لل — لیکن — یہ آپ کو — ملا کہاں سے؟" اس نے پُوچھا۔

"ڈونکی — بھورا بلا گروہ تو تمھاری پیدائش سے بھی پہلے کی بات ہے — پھر تم اس کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟"

"اس لیے کہ — وُہ گروہ اگرچہ گرفتار ہو گیا تھا — انھیں تاعُمر جیل کی سزا سُنا دی گئی تھی — اس گروہ کے زیادہ تر لوگ جیل میں مر گئے تھے، لیکن چند ایک ایسے بھی تھے، جو جیل کی سلاخیں توڑ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے — یہ اور بات ہے کہ پھر انھوں نے کوئی جُرم نہیں کیا اور ہمیشہ روپوش ہی رہے — وُہ کبھی بھی کسی کے سامنے نہیں آئے — نہ کوئی واردات کی، اس طرح لوگ انھیں بھولتے چلے گئے۔"

"لیکن تم نے تو انھیں خوب یاد رکھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں نے جب سے ہوش سنبھالا — اس گروہ کی کہانیاں سُنیں — مجھے اس سے بہت دلچسپی پیدا ہو گئی — شاید اس لیے کہ میں بھی جرائم پیشہ تھا — اور جرائم کے نئے اور پُرانے طریقوں کی کھوج میں رہتا تھا — لہٰذا جہاں سے بھی کوئی اطلاع ملتی حاصل کر لیتا۔"

"لیکن ڈونکی — اس گروہ کے بارے میں تمھیں کون بتایا کرتا تھا؟"

"مم — میرا — اب میں کیا بتاؤں۔"

"بتا دو — کوئی حرج نہیں۔" انھوں نے کہا۔

"لیکن اس کا کیا فائدہ — کیا اس گروہ کے کسی شخص نے کوئی واردات کی ہے؟"

"نہیں ڈونگی۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ اب کہاں۔ اب تو ان کے پوتے دوتے تو کہیں ہوں گے۔" انھوں نے سرسری انداز میں کہا۔

"ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ وہ لوگ تو کب کے مر کھپ گئے۔ ان کے تو بیٹے بیٹیاں بھی اب مشکل سے ہی زندہ ہوں گے۔ ہاں آگے ان کی اولاد ضرور ہو سکتی ہے۔"

"یہ گروہ کس قسم کی وارداتیں کیا کرتا تھا ڈونگی؟"

"پہلے تو آپ۔ میری ایک حیرت۔ دور کر دیجیے۔" اس نے کہا۔

"کیسی حیرت؟"

"یہ بٹن آپ کو کہاں سے ملا ہے؟"

"ایک تہ خانے سے۔"

"اوہ۔ گگ۔ کیا وہ تہ خانہ خالی تھا؟"

"ہاں۔ بالکل۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ!" ڈونگی کے منہ سے مایوسانہ انداز میں نکلا۔

"کیوں ڈونگی۔ تمھیں یہ سن کر مایوسی ہوئی۔ خیر تو ہے۔"

"میں سمجھا تھا۔ اس میں آپ کو کوئی بڑا خزانہ ملا ہو گا۔"

"وہ کیوں؟" انھوں نے فوراً کہا۔

"اس گینگ کے بارے میں ایک بہت مشہور بات یہ بھی چلی آ رہی ہے کہ انھوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا اور اپنی دولت ایک خفیہ جگہ رکھتے تھے۔ انھوں نے بے تحاشہ دولت لوٹی۔ اَن گنت وارداتیں کیں اور آخری واردات کے سوا کسی میں پکڑے نہیں گئے۔ جب انھیں پکڑا گیا اور ان سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی کہ انھوں نے لوٹ مار کی دولت کہاں چھپا کر رکھی ہے تو انھوں نے اپنے ہونٹ سی لیے۔ پھر قانون کے محافظوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگا لیا، لیکن ان کی زبان کھلوانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ہر طرح کی سختی ان پر کی گئی۔ انھیں راتوں کو برف کے پانی میں غوطے دیے گئے۔ الٹا لٹکایا گیا۔ کوڑوں سے کھال ادھیڑ دی گئی۔ لیکن ان کی زبانیں نہ کھلنا تھیں، نہ کھلیں۔"

"ہوں! مطلب یہ کہ انھوں نے اس جگہ کا پتا نہ بتایا۔ پھر ان میں سے زیادہ تر تو جیل میں ہی مر گئے۔ کچھ باقی بچے جو جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے، لیکن پھر کبھی وہ کسی کو نظر نہیں آئے۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔"

"لیکن ڈونگی۔ انھوں نے اپنی اولاد کو یہ ضرور بتایا ہو گا کہ انھوں نے خزانہ کہاں چھپایا تھا۔ اور ان کی اولاد نے اس

خزانے کو پانے کی ضرور کوشش کی ہو گی۔ کیوں کیا خیال ہے؟

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"تو پھر ڈونکی۔ اس خزانے میں سے تمہارے حِصّے میں کیا آیا؟" انھوں نے مُسکرا کر کہا۔

"جی۔ کیا کہا۔" ڈونکی چلّا اُٹھا۔

اس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"کیا میں نے کوئی غلط بات کر دی ڈونکی؟"

"جج جی ہاں۔ بالکل۔ میرا بھورا بلا گروہ کے کسی آدمی سے کوئی تعلق نہیں۔" اس نے کہا۔

"بھئی دیکھ لو۔ اگر میں نے تعلق ثابت کر دیا تو پھر تمہارا کیا جواب ہو گا؟" انھوں نے کہا۔

"مم۔ میں سمجھا نہیں۔"

"سُنو ڈونکی۔ کئی سال پہلے تم نے ایک جُرم کیا تھا۔ اس جُرم کی تفتیش میں نے کی تھی اور تمھیں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمہاری شکل صُورت مجھے اچھی طرح یاد تھی۔ اور اسی وجہ سے میں اس وقت یہاں

مُوجُود ہُوں۔ اگر تم میرے ہاتھوں گرفتار نہ ہوئے ہوتے۔ تم پر کیس نہ چلا ہوتا۔ عدالت میں میں نے تمہارے خلاف گواہی نہ دی ہوتی تو۔ تو میں اس وقت ہرگز یہاں مُوجُود نہ ہوتا۔ کیا سمجھے؟" یہ کہ کر وُہ خاموش ہو گئے۔

"پتا نہیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میں یہ جاننا چاہتا ہُوں۔ بھُورا بلّا گروہ کی اولاد اس وقت کہاں موجود ہے۔ اور خزانہ انھوں نے کہاں چھپایا ہے؟"

"جج۔ جی۔ کیا مطلب؟" وُہ بُری طرح اُچھلا۔

"مطلب یہ کہ اس گروہ کی اولاد آخر کار وُہ خزانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو ہی گئی ہے۔ دراصل اتنی دیر انھیں اس لیے لگی کہ خزانے پر ایک بہت بڑا اژدھا بیٹھ گیا تھا۔ اس اژدھے سے وُہ لوگ ڈرتے رہے۔ کسی میں جرأت نہ ہو سکی کہ اژدھے کا مقابلہ کریں۔ لیکن پھر۔ ان میں سے کسی کو عقل آ گئی۔ اور انھوں نے ہمارے شہر کے اژدھوں کے ایک مشہور ترین شکاری کی خدمات حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ انھوں نے اپنے ایک ساتھی کو پروفیسر ناگی کے پاس بھیجا۔ اس کو خزانے اور اژدھا کے بارے میں بتایا۔ وُہ حضرت فوراً اژدھا کے مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن انھوں نے چالاکی یہ کی کہ خوش نصیب خان سے ساری باتیں

معلوم کرنے کے بعد اسے رسیوں سے جکڑ دیا اور کار کی ڈکی میں ڈال کر اس عمارت کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ہماری ان سے ٹکر ہو گئی۔ ہم نے یہ بات بھانپ لی کر ڈکی میں کوئی انسان موجود ہے۔ آخر ہم یہ دیکھنے میں کامیاب ہو گئے کہ ڈکی میں ایک انسان موجود ہے۔ خوش نصیب خان کو رسیوں سے آزاد کیا گیا۔ ساری بات سُنی گئی۔ آخر تینوں پارٹیاں مل کر اژدھے کا مقابلہ کرنے چل پڑیں۔ خوش نصیب ہمیں اس عمارت تک لے آیا۔ لیکن اژدھے کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہ ہوا، لہٰذا خود عمارت سے نکل گیا۔

ہم نے اژدھے کا مقابلہ کیا اور اس کو مار ڈالا۔ لیکن خوش نصیب نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے چکر چلایا اور ہم قید ہو کر رہ گئے۔ انھوں نے ہمیں رسیوں سے جکڑ دیا اور پھر سارا خزانہ لے گئے۔ بس۔ یہ بٹن اور چند خطوط ساتھ نہیں گئے۔ یہ چیزیں ان کے لیے بے کار تھیں۔ لیکن انھیں کیا معلوم تھا کہ وہی دو چیزیں ان کے لیے خوش نصیبی کی بجائے بد بختی لے کر آئیں گی۔"

"کک۔ کیا مطلب؟" ڈونگی نے گھبرا کر کہا۔

"میں ان دو چیزوں کے ذریعے ان لوگوں تک پہنچ جاؤں گا، اور خزانہ سرکاری خزانے میں شامل کر لیا جائے گا۔"

"لیکن اس کا آپ کو کیا فائدہ ہو گا۔" ڈونگی نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"میرا مطلب ہے۔ اس راز سے ابھی تک کوئی بھی واقف نہیں ہے۔" ڈونگی نے کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو ڈونگی؟"

"آپ بھی اس خزانے میں سے ان سے حصہ وصول کر لیں، ساری زندگی عیش کریں۔"

"تت۔ تو کیا تم جانتے ہو۔ وہ کہاں ہیں؟"

"یہ میں نے کب کہا۔ میرا مطلب ہے۔ آپ ان کا۔ سُراغ لگا ہی لیں گے۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"ہوں! میں ایسی عیش پر لعنت بھیجتا ہوں۔ وہ خزانہ ضرور سرکاری خزانے میں شامل ہو گا۔ ان شاء اللہ۔"

"آپ کی مرضی۔ میں نے تو بس ایک تجویز پیش کی تھی۔"

"ہاں تو پھر۔ تم بتا رہے ہو یا نہیں۔"

"کک۔ کیا؟" وہ ہکلایا۔

"یہ کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔ اور انھوں نے خزانہ کہاں چھپایا ہے؟"

"بھلا یہ بات میں کس طرح جان سکتا ہوں۔ میرا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے۔"

"سنو ڈونکی۔ تمہارا دادا بھی بھورا بلا گروہ میں شامل تھا۔"
آخر انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ بولے۔

ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ڈونکی کا حال پتلا تھا:

"میں نے غلط نہیں کہا۔ کیوں ڈونکی؟"

"آپ۔ آپ کو غلط۔ فہمی ہوئی ہے۔" اس نے کہا۔

"نہیں بھئی۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اس بات کا ثبوت پیش کروں گا۔"

"ثبوت۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"تمہارے دادا کا نام منصور خان تھا۔ وہ گروہ کا سردار بھی تھا۔"

"ارے!" ان تینوں کے منہ سے نکلا۔ ادھر ان الفاظ کے ساتھ ہی ڈونکی کا رنگ اڑ گیا۔

"جیل سے فرار ہونے والوں میں وہ بھی شامل تھا۔ اس کے ساتھ سات آٹھ آدمی اور فرار ہوئے تھے۔ جب کہ وہ گروہ پچاس ڈاکوؤں کا تھا۔ اب ان سات آٹھ آدمیوں کی اولاد اس خزانے کے چکر میں تھی۔ خزانہ انھوں نے بے شک حاصل کر لیا۔ لیکن چوں کہ اس خزانے پر ان کا کوئی حق نہیں۔ اس لیے اس خزانے کا سرکاری خزانے میں جمع

ہونا بہت ضروری ہے۔"

"آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ گروہ کا سردار منصور خان تھا اور وہ میرا دادا تھا۔" ڈونکی نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"میں یہ بات بہت آسانی سے کہہ سکتا ہوں۔ یہ رہا ثبوت۔"

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی تھی۔ ایک آدمی اندر داخل ہوا اور چیخ کر بولا:

"مم۔ ماسٹر۔ وہ۔ وہ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اوندھے منہ گرا۔۔۔

عقل کی مار

"کیا مصیبت ہے۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" ڈونکی نے جھلا کر کہا۔

"وہ۔ وہ۔ پولیس۔"

"پولیس۔ کیا مطلب؟" ڈونکی چونکا اور پھر اس کی نظریں ان پر جم گئیں۔

"پولیس نے سرائے کو گھیرے میں لے لیا ہے۔"

"اوہ۔ انسپکٹر صاحب۔ کیا ایسا آپ۔ کے حکم سے۔ ہوا ہے۔" اس نے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

"ہاں بالکل۔" انھوں نے کہا۔

"آخر کیوں؟"

"میری پوری بات سُننے کے بعد تمہیں کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہیں رہ جائے گی۔ ذرا ان خطوط کو دیکھ لو۔ بلکہ ان کو پڑھ لو۔ یہ تمہارے دادا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے خطوط

ہیں۔ خطوط اس نے اپنے کسی دوست کو لکھے تھے۔ اور دوست نے ان خطوط کو پا کر ان کے دُوسری طرف جواب لکھ کر تمہارے دادا کو ارسال کر دیے۔ اس طرح ہم خطوط کے جواب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں اس نے اپنی شان دار کامیابیوں کا ذکر کیا ہے۔ اور جگہ جگہ اس نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شان دار کامیابیاں ضرور اس کے بیٹے کی وجہ سے ہیں، جب سے وُہ پیدا ہوا ہے۔ دولت ہی دولت ہاتھ آنے لگی ہے۔ ایک خط میں یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے اپنے بیٹے کا نام خوش بخت رکھا ہے۔ ہمارے پاس جو ریکارڈ ہے۔ اس میں تمہارے باپ کا نام خوش بخت ہی ہے۔" اتنا کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"تو پھر۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ کیا اس بھری دُنیا میں خوش بخت خان نام کا صرف اور صرف ایک آدمی ہے۔"

"نہیں۔ اور بھی ہوں گے۔ یہ میں نے کب کہا ہے۔"

"تو پھر۔ میں اس خوش بخت خان کا بیٹا کس طرح ہو گیا؟"

"کیوں بھئی فاروق۔ یہ اس خوش بخت خان کا بیٹا کس طرح ہو گیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی۔ اس طرح کہ اس کا اپنا نام ڈونکی نہیں۔ خوش نصیب

خان ہے۔" فاروق نے کہا۔

"کیا!" ڈونکی چلا اُٹھا۔

"بھئی واہ۔ خوب پہچانا۔ اگرچہ اُس وقت یہ بہترین قسم کے میک اَپ میں تھا۔ لیکن بھئی۔ یہ بات بھی ثبوت کے طور پر تو پیش نہیں کی جا سکتی۔"

"جج جی۔ جو باتیں ثبوت کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں، وُہ تو آپ بتایا کرتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہوں خیر۔ یُوں ہی سہی۔ سُنو ثبوت۔ ان خطوط میں ایک تصویر بھی ملی ہے۔ وُہ تصویر خوش بخت خان کی ہے۔ بھورا بلا نے تصویر کی پشت پر فخر سے لکھا ہے کہ میرا بیٹا اب جوان ہو گیا ہے۔ یہ ہے خوش بخت خان کی تصویر۔"

"اور اور یہ بات۔ ثبوت کیسے۔ ہو گئی؟" ڈونکی یا خوش نصیب نے کہا۔

"تصویر دیکھ لو۔ خود بخود جان جاؤ گے۔" انھوں نے یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک تصویر نکال کر اس کے سامنے کر دی۔ جُوں ہی اس کی نظر تصویر پر پڑی۔ وُہ زور سے اُچھلا۔ یُوں جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو اور پھر اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔

"تمھارا اچھلنے کا انداز پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ تم ہی

اس گروہ کے سردار کے پوتے ہو۔ اور تم نے ہی اپنے ساتھیوں کے ساتھ یعنی گروہ کے باقی لوگوں کی اولاد کے ساتھ مل کر خزانہ حاصل کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ جگہ کا راز تو خوش بخت خان تمھیں بتا ہی گیا تھا۔ اصل مسئلہ تھا اژدھا کا جو نہ جانے کس طرح اس دولت پر آ کر بیٹھ گیا تھا۔ تم لوگ اس سے بہت خوف زدہ تھے۔ اژدھے کا مقابلہ کرنے کی ہمت تم میں نہیں تھی۔ ایسے میں تمھیں پروفیسر ناگی کا خیال آیا۔ تم جانتے تھے۔ اگر پروفیسر ناگی نے کوئی چکر چلانے کی کوشش کی۔ تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ کیوں کہ تمھارے باقی ساتھی تو اس عمارت کے آس پاس چھپے ہوتے۔ وُہ اس سے نبٹ لیتے۔ لیکن ناگی اور اس کے ساتھی بھی اژدھوں کے کوئی خاص شکاری نہیں تھے۔ انھوں نے شاید جھوٹے واقعات بتا بتا کر شہرت حاصل کر لی تھی۔ کیوں کہ اس اژدھا کے مقابلے میں تو ان کے پاؤں فوراً ہی اکھڑ گئے تھے۔ وُہ تو اتفاق سے ہم اس مہم میں شامل ہو گئے تھے۔ ورنہ وُہ لوگ اژدھا کے ذریعے ہلاک ہو گئے ہوتے۔ یہ ہے کل کہانی۔ اب صرف اتنا بتا دو کہ تمھارے ساتھی اور خزانہ کہاں ہے۔"

"افسوس! مجھے نہیں معلوم۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ بولے۔

"عمارت سے خزانہ لے کر وہ کسی نا معلوم جگہ پر چلے گئے اور میں سیدھا یہاں آ گیا۔ اب وہ مجھے اطلاع دیں گے کہ کہاں ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"کیوں۔ ہو کیوں نہیں سکتا۔"

"اگر وہ تمہیں اطلاع نہ دیں تو۔ تو تم ان کا کیا بگاڑ لو گے۔"

"ان کے بچے میری حفاظت میں ہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"بطورِ ضمانت وہ اپنے بچے میرے گھر چھوڑ گئے تھے۔"

"تمہاری باتوں پر یقین نہیں آ رہا۔ خیر۔ اب ان کے بچوں کو بھی قانون کی حفاظت میں رکھنا ہو گا۔ اور تمہیں بھی۔ فی الحال میں تمہاری سرائے کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"اب سرائے کی تلاشی لینے کی آپ کو کیا سوجھ گئی۔" اس نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ تیرے اعتراض کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ آپ رک تھوڑا ہی جائیں گے۔"

"ہاں! بات تو ٹھیک ہے۔ اب ہم تلاشی شروع کرتے ہیں۔ اس سرائے میں کل کتنے کمرے ہیں؟"

"پچاس۔" اس نے کہا۔

"کیا ان سب میں لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"چند کمرے خالی ہیں۔"

"ہم خالی کمرے بھی دیکھیں گے اور مسافروں والے بھی۔"

"اور لیکن اس طرح تو مسافروں کو پریشانی ہو گی۔" خوش نصیب خان نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"ہاں پریشانی تو ہو گی۔ لیکن اب کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔ مجبوری ہے۔" انھوں نے کہا۔

آخر تلاشی شروع ہوئی۔ پہلے انھوں نے خالی کمروں کا دیکھا، پھر مسافروں والے کمروں کی باری آئی۔ ایک ایک کر کے تمام کمرے دیکھ ڈالے گئے۔

"بس۔ کچھ نہیں ملا نہ۔ لہٰذا میں نے غلط نہیں کہا تھا۔ میرے ساتھی کسی نا معلوم جگہ پر پہنچ کر پہلے اس بات کا جائزہ لیں گے کہ کوئی گڑبڑ تو نہیں۔ ۔ ۔ پھر مجھے اطلاع دیں گے۔"

"خیر — ہم ایک تجربہ اور کر لیتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ تمہارے گھر سے ان بچوں کو لے آتے ہیں۔ اگر تمہارے گھر میں بچے ہوئے تو ہم تمہاری بات پر یقین کر لیں گے — اور ہم ان کے پیغام کا انتظار کریں گے۔ ورنہ پھر تم سے کچھ اور سلوک کیا جائے گا۔"

"مم — میں — میں۔"

ڈونکی کچھ نہ کہہ سکا — اسی وقت اکرام کو چند سادہ لباس والوں کے ساتھ ڈونکی کے گھر بھیجا گیا، لیکن وہاں صرف اس کے بیوی بچے ملے —

"گویا تم جھوٹ پر جھوٹ بولتے رہے ہو۔"

"ہاں!" اس نے فوراً کہا۔

"خیر — اب بتا دو — خزانہ اور تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟"

"نہیں بتاؤں گا — اس لیے کہ اس خزانے پر میرا اور میرے ساتھیوں کا حق ہے — یہ ہمارے باپ دادوں نے بڑی محنت سے جمع کیا تھا۔" اس نے کہا۔

"بے وقوف ہو تم — انھوں نے یہ دولت محنت کر کے نہیں کمائی تھی — ڈاکے ڈالے تھے — لوگوں کو لوٹا تھا — ظلم توڑے تھے۔"

"اور اس کی سزا انھوں نے بھگت لی تھی۔" وہ ہنسا۔

"لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ خزانے پر تمہارا حق تسلیم کر لیا جائے۔"

"نہ کریں — میں تو کر چکا ہوں — خزانہ اب میرا اور میرے ساتھیوں کا ہے۔"

"تم بہت بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہو — تمہارے ساتھی تمہیں بھی دھوکا دیں گے — دولت چیز ہی ایسی ہے۔"

"جی نہیں — میرا کوئی ساتھی بدنیت نہیں ہو سکتا — ہم نے برابر خزانہ تقسیم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے — اور اپنے بچوں کی قسمیں کھائی ہیں کہ کسی دوسرے کا حصہ ہڑپ نہیں کریں گے، نہ اس قسم کی کوشش کریں گے۔"

"بچوں کی قسمیں — اگر کوئی اور موقع ہوتا تو میں تمہیں بتاتا کہ قسم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی کھانی چاہیے، لیکن — تم میری اس بات کو بھلا کہاں سمجھو گے۔"

"پتا نہیں — آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔" وہ مسکرائے۔

"میرے خیال میں تو اب ان صاحب کو کمرۂ امتحان میں لے جانا ہو گا۔" فاروق نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں! لیکن سرائے بدستور پولیس کے گھیرے میں رہے

گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں! واقعی ۔ ہو سکتا ہے۔ ڈوبکی کا یہ بیان درست ہی ہو۔ کہ اس کے ساتھی اسے بعد میں اطلاع دیں گے۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرۂ امتحان میں موجود تھے ۔ لیکن ڈوبکی کے چہرے پر ذرا بھی خوف نہیں تھا۔ اچانک اس نے کہا:

"یہاں بہت بہت سخت لوگ لائے جاتے رہے ہوں گے، لیکن مجھ جتنا سخت آدمی شاید نہیں آیا ہوگا ۔ میرا چیلنج قبول کریں انسپکٹر جمشید۔ آپ مجھ سے ایک لفظ بھی نہیں اگلوا سکیں گے۔"

"اچھا۔ دیکھ لیتے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

کوشش شروع کی گئی ۔ سب سے پہلے ڈوبکی کو بجلی کے شدید جھٹکے دیے گئے ۔ وہ دل دوز انداز میں چیخا ۔ چلایا ۔ لیکن۔ منہ سے کچھ نہ اگلا ۔ دوسرے مرحلے پر اس کے سر پر خود رکھ کر بٹن دبایا گیا ۔ اس کا سر گویا پھٹنے لگا ۔ اس نے پھر ایک بھیانک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گیا۔ ہوش میں لا کر تیسری مرتبہ اس کی انگلیوں میں لوہے کی سلاخیں رکھ کر دبائی گئیں۔ اس کی جان گویا نکلنے لگی، لیکن خزانے

کا راز اس نے پھر بھی نہ اگلا ۔

اور پھر باری باری سب تجربات اس پر کر ڈالے گئے، وہ بے ہوش ضرور ہوتا رہا، لیکن خزانے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں اس نے ایک لفظ بھی نہ کہا:

"ہم ہار گئے ۔ اور تم جیت گئے۔" انسپکٹر جمشید تھکی تھکی آواز میں بولے ۔

"شکریہ انسپکٹر ۔ آپ بھی عظیم آدمی ہیں۔ اپنی شکست کو تسلیم تو کر لیا۔"

"لیکن ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمھارے ساتھی خزانہ لے اڑنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی ۔ کیا مطلب؟"

"اب ہم عقل استعمال کریں گے ۔ تمھیں عقل کی مار دیں گے۔" فاروق نے چہک کر کہا۔

"عقل کی مار۔" وہ بڑبڑایا۔

"ہاں کیوں۔ کبھی اتفاق نہیں ہوا عقل کی مار سہنے کا۔" فاروق حیران ہو کر بولا۔

"ن ن ۔ نہیں۔"

"کوئی بات نہیں ۔ اب ہو جائے گا ۔ اتفاق کا کیا ہے ۔ مول تھوڑا ہی لانا پڑے گا۔"

وہ اسے پھر سرائے میں لے آئے۔ سرائے کے گرد
بدستور پولیس موجود تھی۔ اس کے انچارج سے انسپکٹر جمشید نے
پوچھا:
"ہوٹل کے مسافروں میں سے کسی نے کہیں جانے کی
کوشش تو نہیں کی؟"
"جی ہاں! دو تین مسافروں نے کسی کام کی غرض سے باہر
جانا چاہا تھا، لیکن ہم نے انھیں اجازت نہیں دی۔"
"ہوں! آپ نے ٹھیک کیا۔ ہم ایک بار پھر ہوٹل کے
مسافروں سے ملاقاتیں کریں گے۔"
"آپ کیوں۔ مجھے پریشان کرنے پر تُل گئے ہیں؟"
"اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں۔ مجھے تو اپنا فرض ادا
کرنا ہے۔ اور فرض کی ادائیگی میں تو جان بھی جائے تو ہم
پروا نہیں کریں گے۔" انھوں نے جذباتی لہجے میں کہا۔
"اچھی بات ہے۔ کریں آپ اپنا کام۔" ڈونکی نے تلملا
کر کہا۔

وہ ہوٹل کے پہلے مسافر کے کمرے میں داخل ہوئے:
"معاف کیجیے گا۔ ہم آپ کو پھر زحمت دے رہے ہیں۔"
"زحمت ہی نہیں۔ بہت تکلیف بھی۔ آخر ہم پر باہر
جانے کے سلسلے میں کیوں پابندی لگائی گئی ہے۔" اس نے

جل کر کہا۔
"یہ پابندی جلد ختم ہو جائے گی۔ آپ کا نام؟" انھوں نے
نرم لہجے میں کہا۔
"میں ساگر ہوں۔" وہ بولا۔
"پتا۔"
"مراد گڑھ ۱۰۹ نور سٹریٹ۔"
"اوہو۔ مراد گڑھ۔ یہ شہر تو یہاں سے بہت دور ہے۔"
"اب میں اس کو یہاں سے نزدیک کس طرح لا سکتا ہوں۔"
"یہ بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہم
بذریعہ فون اس جگہ کو نزدیک کر سکتے ہیں۔ کیا وہاں۔ آپ
کے گھر میں فون ہے؟"
"فون۔ جی نہیں۔ فون تو نہیں ہے۔" اس نے کہا۔
"اوہ۔ یہ تو بری بات ہو گئی۔ اب کیا کیا جائے۔ خیر۔
میں دیکھتا ہوں۔"
یہ کہ کر انھوں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا، پھر فون
پر کچھ نمبر گھمائے۔ سلسلہ ملنے پر وہ بولے:
"ہیلو۔ شاکر۔ انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔ نور سٹریٹ ۱۰۹
مراد گڑھ نوٹ کر لو۔ فوراً معلوم کرو۔ یہاں کون رہتا ہے،
یہاں کا نمبر نوٹ کر لو۔" یہ کہ کر انھوں نے فون کے

نمبر لگوا دیے۔

ساتھ ہی انھوں نے محسوس کیا۔ ساگر کے چہرے پر الجھن دوڑ گئی تھی:

"آخر معاملہ کیا ہے جناب۔ ہم لوگوں کو کیوں پریشان کیا جا رہا ہے؟"

"معاملہ اتنا معمولی نہیں ہے۔ بہت بھاری بھر کم ہے۔ اس لیے چند لوگوں کو پریشان کرنا کوئی ایسی نازیبا بات نہیں۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"یہ تو آپ کہہ رہے ہیں نا۔ ان سے پوچھیں جنھیں تنگ کیا جا رہا ہے۔"

"ان سے بھی پوچھیں گے۔ ذرا فرصت تو مل لے۔"

آدھ گھنٹے بعد فون کی گھنٹی بجی۔ انھوں نے فوراً ریسیور اٹھایا:

"انسپکٹر جمشید بول رہا ہوں۔"

"میں شاکر ہوں سر۔ مراد گڑھ میں نود سٹریٹ نام کی کوئی گلی نہیں ہے۔ میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے۔"

"اوہ! بہت بہت شکریہ۔" یہ کہہ کر وہ ساگر کی طرف مڑے:

"مسٹر ساگر۔ مراد گڑھ میں نود سٹریٹ نام کی کوئی گلی نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ نود سٹریٹ پرانا نام ہو۔ اب اس کا کوئی نیا نام رکھ دیا گیا ہو۔" اس نے کہا۔

"نئے نام کے ساتھ پرانا نام بھی بہت عرصے تک باقی رہتا ہے۔"

"آپ خود سوچیں۔ مجھے غلط پتا بتانے کی کیا ضرورت تھی۔" اس نے کہا۔

"سوچ چکے ہیں۔ اور نتیجہ بھی نکال چکے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"وہ کیا؟" اس نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔ محمود۔ اکرام اور اس کے کچھ ساتھیوں کو بلا لو۔"

"جی بہتر۔"

جلد ہی اکرام اپنے ساتھیوں سمیت وہاں موجود تھا۔

"اس سرائے کے سب مسافروں کو گرفتار کرنا ہے۔ ضرورت ہو تو اور آدمی بلا لو۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" ساگر چلّایا۔

"میں ٹھیک کہہ رہے ہوں۔ تم سب لوگ خوش نصیب خان کے ساتھی ہو۔ خزانہ بھی میں اسی سرائے سے برآمد کر کے دکھاؤں گا۔"

"نہیں !!!" ساگر بلند آواز میں چلایا، پھر اس نے منہ سے
ایک تیز سیٹی کی آواز نکالی۔

آن کی آن میں کمروں کے دروازے کھل گئے۔ اور بیس
کے قریب آدمی پستول ہاتھوں میں لیے باہر نکل آئے:

"خبردار۔ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ ورنہ ہم گولیاں مار مار کر
چھلنی کر دیں گے۔"

"چلو شکر ہے۔ معاملہ تو طے ہوا۔ اب تم لوگ یہ تو
نہیں کہہ سکو گے کہ ہمارا اس خزانے والے معاملے سے کوئی
تعلق نہیں ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"شاید تمہیں یہ پستول ابھی تک نظر نہیں آئے۔"

"کون سے پستول۔ یہ پستول۔ ہم نے تو نہ جانے کیسے
کیسے پستول دیکھ رکھے ہیں۔ یہ بے چارے تو ہمارے سامنے
یونہی دم توڑ دیں گے۔"

"کون دم توڑ دیں گے؟" ساگر نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ارے یہی۔ پستول۔ اور کون۔" فاروق مسکرایا۔

"یہ یوں نہیں مانیں گے۔ فائر کھول دو۔" ساگر نے کہا۔

"ہوش کے ناخن لو۔ پورا ہوٹل پولیس کے گھیرے میں ہے،
تم بچ کر کس طرح نکل سکتے ہو۔ اس وقت تک تو تم پر
صرف خزانہ ہضم کرنے کا الزام ہے۔ پھر قاتل بھی بن

جاؤ گے۔"

"خوش فہمی ہے آپ لوگوں کی۔ اس سے پہلے کہ باہر والے
پولیس مین اندر آئیں گے، ہم غائب ہو چکے ہوں گے، کیوں
بھئی۔ میں غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

"نہیں مسٹر ساگر۔ تم تو ویسے بھی غلط بات نہیں کہا کرتے۔"
ایک بولا۔

"خیر۔ یہ بھی کر کے دیکھ لو۔ تم نہیں جانتے۔ میں تم لوگوں
کے تمام راستے بند کر چکا ہوں۔"

"تمام راستے۔ غلط۔ بالکل غلط۔" ساگر چلایا۔

"اچھا تو پھر سنو۔ جب میں نے یہ جان لیا کہ ڈوبکی
نے ہی خزانہ اڑایا ہے۔ اور اس کے ساتھی بھورا بلا کے
گروپ کے لوگوں کی اولاد میں سے ہیں۔ تو یہ کس طرح
ممکن تھا کہ میں اس سرائے کو گھیرے میں لیتا اور تم لوگوں
کو سرسری انداز میں چیک کرتا۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید
خاموش ہو گئے۔

"گ۔ کیا مطلب؟" کئی آوازیں ابھریں۔

"جب ہم نے پہلی مرتبہ تم لوگوں کو چیک کیا تھا، اس
وقت ہی یہ بات بھانپ لی تھی کہ تم دراصل اسی گروپ
کے لوگ ہو۔ بس پھر۔ ہم نے تلاشی کے دوران تم لوگوں

کے پستول خالی کر دیے تھے۔ تُمھارے پستولوں میں گولیاں تو
ہیں ہی نہیں۔ ذرا ان پر ایک نظر تو ڈال لو۔"

انھوں نے بوکھلا کر پستولوں کی طرف دیکھا۔ ان میں
میگزین کے خانے خالی تھے۔ وُہ حواس باختہ ہو گئے۔ اسی
وقت انسپکٹر جمشید کی آواز گونجی:

"اب رہ گئی یہ بات کہ خزانہ کہاں ہے۔ تو سیدھی سی
بات ہے۔ خزانہ ایک تہ خانے سے نِکال کر دُوسرے تہ خانے
میں منتقل کر دیا گیا ہے۔"

"جی۔ کیا مطلب؟" فارُوق بولا۔

"مطلب یہ کہ اس سرائے کے نیچے بھی ایک عدد تہ خانہ
موجود ہے۔ خزانے کے لیے اس سے بہتر جگہ بھلا اور کون
سی ہو سکتی ہے۔ کیوں بھئی۔ کیا خیال ہے؟"

ان کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل سکا۔ اور پھر ان سب
کو گرفتار کر لیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس تہ خانے سے بھی
خزانہ نِکالا جا رہا تھا۔ ایسے میں فارُوق کی آواز اُبھری:

"ابّا جان۔ میں خوف محسوس کر رہا ہُوں۔"

"خوف۔ کس بات کا؟"

"میں سوچ رہا ہوں۔ یہ برسوں پرانا خزانہ اس عمارت
کے تہ خانے میں تھا تو اس پر ایک خوف ناک اژدھا

مسلط ہو گیا تھا۔ اب یہ سرکاری خزانے میں جا رہا ہے تو
۔ تو۔"

"تو۔ تو کیا؟" محمُود نے منہ بنایا۔

"تو تو یہ کہ کہیں سرکاری خزانے میں بھی کوئی اژدھا نہ
آ جائے اور۔ اور سارے مُلک کا کام نہ رک جائے۔"

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو۔" فرزانہ نے جھنّا کر کہا۔

"کیا مطلب۔ یہ باتیں بے وقوفی کی ہیں۔ کیوں۔ کیا سرکاری
خزانے سے اژدھے ڈرتے ہیں۔"

"یہ بات نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو پھر۔ کیا بات ہے۔ وہی بات بتائیں نا۔ جو ہے۔"
فارُوق نے منہ بنایا۔

"بھئی سرکاری خزانے میں دولت جمع تو رہتی نہیں۔
گردش کرتی رہتی ہے۔ ایک طرف سے آ رہی ہے۔ تو
دُوسری طرف سے جا رہی ہے۔ سانپ اور اژدھے صرف
ان خزانوں پر آ کر بیٹھتے ہیں۔ جن پر مدتوں استعمال نہ کیا
جائے۔ جو زمین میں دفن کر دیے جائیں۔ اور پھر انھیں
نکالنے والا کوئی نہ ہو۔ کیا سمجھے؟"

"بالکل سمجھ گئے۔ ان خزانوں پر اژدھے بیٹھ ہی جانے
چاہییں۔ جن کو استعمال میں نہ لایا جائے۔ بلکہ زمینوں میں

دفن کر دیا جائے۔ دولت اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو کام میں لانے کے لیے دی ہے۔ نہ کہ زمین میں دفن کرنے کے لیے۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔" فاروق بولا۔

"تم اور غلط کہو۔" فرزانہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"ہاں واقعی۔ غلط کہنے کے لیے تم اور محمود جو موجود ہو۔" اس نے شریر لہجے میں کہا اور انسپکٹر جمشید نے ہنس کر اس کی کمر پر ایک دھول جما دی۔

ختم شد

آیندہ ناول کی ایک جھلک

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید
آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا
اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

خزانے کی روح

مصنف اشتیاق احمد

☆ اس مرتبہ ان کے مقابلے میں دو عدد روحیں آ گئی تھیں۔
☆ ان روحوں نے آپ کے کرداروں کو فون کیا اور ایک قلعے میں آنے کی دعوت دی۔
☆ انسپکٹر جمشید کے حیرت انگیز اندازے آپ کو حیرت میں ڈال دیں گے۔
☆ وہ سچ مچ روحیں تھیں یا کیا.... آپ کے کردار ایک جگہ جمع تھے یہ معمہ ا... سے حل نہیں ہو رہا تھا۔
☆ ہٹلر کی روح سے ملئے.... کیا وہ واقعی ہٹلر کی روح تھی۔
☆ ایک خوفناک قلعہ.... اس قلعے میں جونہی آپ کے کردار داخل ہوں گے.... آپ خوف کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔
☆ اور خوف کی یہ لپیٹ آپ کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے

لے گی۔

☆ آپ یہ اندازہ نہیں کرپائیں گے کہ آپ کے کردار کیا واقعی اس بار روحوں کے چکر میں پھنس گئے ہیں۔

☆ اور آپ ہی کیا.... یہ فیصلہ تو آپ کے کردار بھی نہیں کر پائیں گے۔

☆ اپنی نوعیت کا ایک حیرت انگیز ناول۔

☆ فرحت کا خیال تھا کہ روح سفید جھوٹ بول رہی ہے۔

☆ آخر اس خوفناک قلعے میں روحیں آپ کے کرداروں کو کیوں بلانا چاہتی تھیں۔

☆ ان کا کہنا تھا کہ اس قلعے کے نیچے ایک بہت بڑا.... اتنا بڑا کہ آدمی سوچ بھی نہیں سکتا، خزانہ دفن ہے.... اس میں سیب جتنے بڑے ان گنت ہیرے ہیں اور دوسرے جواہرات الگ موجود ہیں۔

☆ روحوں کا یہ بیان درست تھا یا غلط۔

☆ مزے کی بات یہ تھی کہ ان روحوں کو معلوم نہیں تھا کہ خزانہ کس جگہ ہے.... اور وہ آپ کے کرداروں سے خزانہ تلاش کرانا چاہتی تھیں۔

☆ اور آپ کے کردار ان کے ہر حکم کی تعمیل کرنے پر مجبور تھے.... اس لیے کہ وہ روحیں ان میں سے کسی کا بھی گلا گھونٹنے کی طاقت رکھتی تھیں۔

☆ اور جب تجربے کے طور پر ایک روح نے انسپکٹر جمشید کا گلا گھونٹا۔

☆ وہ اپنا گلا اس سے آزاد نہ کرا سکے.... جب تک کہ خود اس نے نہ چھوڑ دیا۔

☆ خزانہ کہاں تھا.... یہ سب سوالات آپ کو چکرا کر رکھ دیں گے۔

☆ رابرٹ کنگ سے ملئے اور جے ہارڈی سے ہاں.... یہ ان روحوں کے نام ہیں۔

☆ خزانے کے بارے میں ان کا بیان پڑھ کر آپ اور بھی حیرت زدہ رہ جائیں گے۔

☆ بیگم جمشید، بیگم کامران مرزا، بیگم خان رحمان اور شیرازی بیگم.... یہ سب مرغا بنی کھڑی تھیں.... کیوں؟

☆ کیا غسل خون میں بھی کیا جا سکتا ہے.... جواب ناول میں دیکھیں۔

☆ جب روح کے ساتھ جن بھی شامل ہو گیا۔

☆ جب روح کو بھی خوف زدہ ہونا پڑ گیا۔

☆ اژدھے کی پھنکار نے ان کے ہوش اڑا دیئے.... منور علی خان حرکت میں۔

☆ وہ چاہتے تھے، ان کا اندازہ غلط ثابت ہو جائے.... لیکن پوری